کتاب "فقہ اکبر"
پر ہونے والے اعتراضات و جوابات اور مستند ترین نسخہ کی
تحقیق و تدقیق
الفقہ الاکبر
از: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ
ترجمہ و تحقیق:
معروف العلماء مفتی حماد رضا نوری برکاتی
نائب مہتمم و مفتی دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد
زاویہ پبلشرز
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ لاہور

کتاب "فقہ اکبر"

پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات اور مستند ترین نسخہ کی

تحقیق و تدقیق

الفقہ الاکبر

از: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ و تحقیق:

معروف العلماء مفتی حماد رضا نوری برکاتی

نائب مہتمم و مفتی دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ ۰ لاہور

Ph: 042-37248657- 37112954

Mob: 0300-9467047- 0321-9467047- 03004505466

Email:zaviapublishers@gmail.com

2013ء

بار اول.................. 1100

ہدیہ.................. 80

ناشر.................. نجابت علی تارڑ

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

راولپنڈی کے ہول ڈسٹری بیوٹرز

اسلامک بک کارپوریشن

فضل داد پلازہ۔ اقبال روڈ۔ کمیٹی چوک ○ راولپنڈی 051-5536111

مکتبہ برکات المدینہ، کراچی	021-34219324
مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی	021-32216464
مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدر آباد	022-2780547
مکتبہ متینویہ، پرانی سبزی منڈی روڈ، بھاول پور	0301-7728754
نورانی ورانٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان	0321-7387299
کتب خانہ حاجی نیاز احمد، بیرون بوھڑ گیٹ، ملتان	0313-8461000
مکتبہ بابا فرید چوک چشتی قبر پاکپتن شریف	0301-7241723
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
اقرا بک سیلرز، فیصل آباد	041-2626250
مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد	041-2631204
مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد	0321-3025510
مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ	055-4237699
مکتبہ نصیریہ، شرق پور شریف	0346-4293065

فہرست

شفقت مفتی خلیل

گر نگاہوں میں ہے میری صورتِ مفتی خلیل
جا گزیں ہے میرے دل میں الفت مفتی خلیل

جوہرِ تفسیر قرآں گوہرِ علم حدیث
صدقہ نوری دے یارب رفعتِ مفتی خلیل

لطف تو میں نے لیا ہے آپ کی آغوش کا
جانتا ہوں میں ہی کیا تھی شفقتِ مفتی خلیل

آپ کیا سمجھیں گے اس کو میرے دل سے پوچھئے
آپ نے دیکھی کہاں ہے شفقتِ مفتی خلیل؟

یا الٰہی آرزو ہے مجھ کو بھی کامل بنا
وجہ شہرت آج تو ہے عظمتِ مفتی خلیل

طفل مکتب ہوں مگر نازاں ہوں یوں حمادؔ میں
کر گئی ممتاز مجھ کو نسبتِ مفتی خلیل

(از: مفتی حمادؔ رضا نوری برکاتی)

قطعہ

بڑھ رہی ہے دن بدن جو وسعت قلب و نظر
رنگ لاتی جارہی ہے نسبتِ مفتی خلیل!
پہلے علم دین میں کامل تو ہوں حمادؔ آپ
پھر سمجھ میں آئے گی عظمتِ مفتی خلیل

(از: مفتی حماد رضا نوری برکاتی)

قطعہ

شہ جیلاں سے نسبت ہوگئی ہے
رسول اللہ سے الفت ہوگئی ہے
خلیل قادری سے فیض پاکر
ہمیں باطل سے نفرت ہوگئی ہے

(از: محمد نعمان رضا برکاتی)

ابتدائیہ!

رضاء العلماء صاحبزادہ جواد رضا برکاتی الشامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ رؤف رحیم

فقیر برکاتی نے اخی الاکبر معروف العلماء مفتی حماد رضا نوری برکاتی مدظلہ کو اکثر و بیشتر مطالعہ میں مستغرق پایا۔ بلکہ یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے دارالکتب احسن البرکات حیدرآباد میں موجود تمام کتب کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے کئی مرتبہ نہ صرف حیدرآباد، بیرون حیدرآباد، بلکہ بیرون ملک سے بھی بعض علماء کرام کو اگر کوئی مسئلہ درپیش ہوا اور ان کو نہیں مل رہا ہو تو وہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے مسائل کو حل کرتے ہیں۔ اسطرح اب آپ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد خلیل خان برکاتی علیہ الرحمۃ و عالمی مبلغ اسلام مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تقریر و مناظرہ کے ساتھ ساتھ قلمی محاذ پر بھی مسلسل مشغول ہو گئے ہیں یہ سب فیض امام اہلسنت امام احمد رضا خان ہے کہ جن کے نام کے ساتھ اخی الاکبر کا نام جڑا ہوا ہے۔ اور یہ سب خصوصی کرم امام سلسلہ برکاتیہ اور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ خصوصاً خلیل العلماء و محامد العلماء مدظلہ کا ہے۔

زیر نظر کتاب "فقہ اکبر" پر ہونے والے اعتراضات و جوابات کے علاوہ مستند ترین نسخہ کی تحقیق و تدقیق بھی ہے جو یقیناً قاری کے قلب و ذہن کو فرحت بخشے گی۔

میں ممنون ہوں جناب نجابت علی تارڑ صاحب کا جنھوں نے شفقت فرماتے

ہوئے اس کتاب کی اشاعت کا ذمہ لیا۔ اللہ عزوجل ہم سب کو استقامت علی الدین نصیب فرمائے۔ آمین۔ مجھے مسلک رضا سے پیار ہے۔

العبد البرکاتی محمد جواد رضا خاں
ناظم: مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ (شعبہ تبلیغ و اشاعت)
ناظم تعلیمات: دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد
مرکزی ناظم اعلیٰ دائرہ برکات اسلامی انٹرنیشنل
۲۴ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ / ۲۴ اپریل ۲۰۱۲ء

تقدیم

عالمی مبلغ اسلام،فخر رضویت، مفتی اعظم اہلسنت،جانشین خلیل العلماء

محامد العلماء مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ

رئیس دارالافتاء وشیخ الحدیث دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ رؤف رحیم

کتاب "الفقہ الاکبر" نہایت معروف و مشہور کتاب ہے، بعض ناعاقبت اندیش لوگوں، اور امام اعظم کی علمیت و ذہانت کی اہمیت و اشرفیت و افضلیت کو، اپنی دانست میں کم کرنے والوں نے اس کتاب کو امام صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب ماننے سے انکار کیا ہے اور اس کے نہ ماننے میں غلو سے کام لیا ہے۔ اور ان ہی مخالفین سے متاثر و مرعوب ہو کر، چند حامی اور مقلدین امام اعظم بھی شکوک میں مبتلا ہو گئے۔

فاضل مترجم ولدی الاعز مفتی حماد رضا نوری برکاتی سلمہ الباری نے اس ترجمہ کے شروع میں جو مفید مقالہ لکھا ہے وہ انتہائی لاجواب ہے، قاری کو اندازہ ہو جائیگا کہ وہ اب تک کن گمنام راہوں سے گزر رہا تھا اور بے نور راستوں پر چل رہا تھا۔ فاضل مترجم نے انتہائی عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد، ان راستوں کو روشن کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات تو خود ایک مشعل نور ہے اور ان کی طرف منسوب یہ کتاب ان ہی کی تصنیف ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فاضل مترجم نے "الفقہ الاکبر" کا متن بھی

نہایت احتیاط سے نقل کیا ہے اور ناقلین و کاتبین کی جانب سے اس میں ہونے والی ممکنہ کمی سے آگاہ کیا ہے، اور اس کی تکمیل کردی ہے۔ مقالہ بجائے خود ایک عمدہ رسالہ ہے۔

فقیر نے اپنے زمانہ طالب علمی میں حیدرآباد کے ایک سابق کالج "طالب المولیٰ اورینٹل کالج" کی لائبریری سے یہ کتاب نقل کی تھی وہ کاپی فقیر کے پاس محفوظ رہی اور اب اس سے استفادہ کا پورا موقع فاضل مترجم کو ملا۔

اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور جو شاندار ترجمہ انہوں نے کیا ہے اسے قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

العبد القادری احمد میاں برکاتی غفرہ الحمید

خادم الحدیث والافتاء احسن البرکات حیدرآباد

۲۴ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ/ ۱۴ اپریل ۲۰۱۲ء

خطبہ،وحرفِ آغاز

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ و صحبہ اجمعین و من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

اما بعد!

فقہ اکبر، امام اعظم محدث اکبر ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہرت یافتہ کتاب ہے، مگر اسکا کوئی معتبر ترجمہ فقیر کی نظر سے نہیں گذرا، فقیر نے زمانہ طالب علمی میں اس کا ترجمہ کیا تھا، جو آپ کے سامنے پیش ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ قبول فرمائے۔ آمین

ترجمہ سے قبل امام اعظم کے حالات، اور علم کلام کا امام اعظم سے تعلق، کے بارے میں چند سطور بھی تحریر کی ہیں، اہل علم سے گذارش ہے کہ کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

فقیر حماد رضا نوری

خادم الحدیث الشریف

دار العلوم احسن البرکات، شارع مفتی محمد خلیل خاں

نزد ہوم اسٹیڈ ہال، حیدر آباد

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ ، سرتاج المحدثین، رئیس الفقہاء، حاکم الحفاظ فی الحدیث، امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام علماء و مجتہدین کے سردار، ماہرین حدیث کے امام، عابدین و زاہدین کے سالار اور تمام خوبیوں کے جامع، جو ایک بہترین انسان میں ہونی چاہئیں، ماسوا نبوت اور صحابیت کے، اور نہایت بہترین محاسن اور فضائل کے حامل تھے۔ اپنے وقت کے عالم تھے، جو کہ نہ صرف فقہ بلکہ حدیث، تفسیر، لغت اور دیگر تمام رائج علوم و فنون کے ماہر تھے۔

امام اعظم نے فقہ اسلامی کے جو اصول، قوانین وضع کئے، آپکے بعد آنے والے تمام فقہاء نے ان ہی اصول و ضوابط کی پیروی میں اپنے اپنے مذاہب و کتب کو مدون کیا۔ جو مسائل آپ نے قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان کئے، آج امت محمدیہ کی اکثریت ان ہی پر عمل کرتی ہے۔ بے شمار علماء، مفسرین و محدثین، فقہاء، اولیاء اور صوفیاء و متکلمین آپ کے مقلدین میں شامل ہو کر حنفی کہلاتے ہیں۔

نام و نسب:

آپ کا نام نعمان ہے، نسلاً فارسی ہیں، سلسلہ نسب اسطرح ہے، نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن نوشیراں (حدائق حنفیہ)۔ نوشیرواں فارس کا مشہور بادشاہ تھا، جو اسلام سے قبل گزرا۔ آپ کے دادا نعمان، قبیلہ تیم کے ایک شخص کے ہاتھوں مسلمان ہوئے اور اس کے ساتھ ان کے گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ اس اعتبار سے آپ کو مولی بنو تیم بھی کہا جاتا ہے۔ کہ عرب میں اس شخص کو جو نو مسلم ہو اور کسی عرب

قبیلے سے اسکی رشتہ داری قائم ہو اس کو بھی مولی، یعنی ملیف کے کلمات سے یاد کرتے ہیں۔
قبل از اسلام آپکا نام زوطی تھا۔ قبول اسلام کے بعد نعمان نام رکھا گیا۔

آپ کے دادا نعمان کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرے تعلقات تھے۔ جب امام اعظم کے والد حضرت ثابت پیدا ہوئے تو نعمان انھیں حضرت علی کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثابت اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی۔ امام اعظم کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی کی یہ دعا قبول فرمائی۔ (تاریخ بغداد)

کچھ لوگ امام اعظم کے خاندان کو غلام کہتے ہیں اس بارے میں، آپ کے پوتے کا بیان ملاحظہ ہو۔ آپ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کا بیان ہے کہ ہم اہل فارس ہیں اور ہمیشہ سے آزاد ہیں اور ہمارے خاندان میں کبھی غلامی نہیں رہی۔

(تاریخ بغداد، تہذیب، ذیل الجواہر، مناقب کردری، مناقب مکی اور الخیرات الحسان)

کنیت ولقب:

آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے جس کا مطلب ہے صاحب ملت حنیفہ، یعنی ادیان باطلہ سے دور ہو کر دین حق کو اختیار کرنے والوں کے سردار۔ آپ کی حنیفہ نام کی کوئی صاجزادی نہیں تھی، آپ کی کنیت وصفی ہے۔ بوجہ آیت کریمہ "واتبعوا ملة ابراهيم حنيفا" (پ ۳ ع ۱۴) یعنی درحقیقت ابوحنیفہ آپ کا لقب ہے۔

آپ نے ابوحنیفہ کنیت اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت سے نوازا بلکہ آپ کے لقب امام اعظم کو بھی قبولیت اور شرف دوام بخشا، تمام ائمہ مجتہدین میں آپ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے نام نعمان کی لطافت بیان کرتے ہوئے ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ لغت میں نعمان اس خون کو کہتے ہیں جن پر بدن کا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سارا جسم کام کرتا ہے، اور اما اعظم کی ذات گرامی بھی دستور اسلامی کیلئے محور اور

عبادات و معاملات کے لئے بمنزلہ روح ہے۔ چنانچہ آپ کے استنباط اور اجتہاد سے فقہ اسلامی، اطراف میں مہک اٹھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ نعمان کے معنی سرخ اور خوشبودار گھاس کے بھی آتے ہیں۔ (الخیرات الحسان، تذکرۃ المحدثین)

بشارت نبویہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بشارت اس حدیث میں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر ارشاد فرمایا: اگر علم ثریا کے پاس بھی ہو تو اس کی قوم کے کچھ لوگ ضرور اس علم کو حاصل کریں گے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲/۷۲۷)

امام سیوطی اس حدیث کا اولین مصداق امام اعظم کو قرار دیتے ہیں کیونکہ آپ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی آپ کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔ بلکہ آپ کا مقام تو الگ رہا کوئی آپ کے تلامذہ کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔ (الخیرات الحسان عقود الجمان، تبییض الصحیفہ)

اور تو اور نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔

(اتحاف النبلاء صفحہ ۲۲۲ تذکرہ المحدثین)

مذکورہ بالا حدیث مختلف الفاظ سے وارد ہوئی، چنانچہ بخاری نے کتاب التفسیر، سورہ جمعہ، مسلم نے فضائل صحابہ، ترمذی نے کتاب التفسیر، سورۃ جمعہ میں اس کو روایت کیا۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں کہ اگر ایمان ثریا کے پاس ہوا الی آخرہ (التفسیر) اور دوسرے طریقہ سے یہ الفاظ ہیں کہ اگر دین ثریا کے پاس ہو تو فارس کا ایک شخص جا کر اس کو حاصل کرلے گا، اور ایک میں ہے کہ فارس، کے لوگوں میں سے ایک شخص اس کو جا کر حاصل کرلے گا۔ (مسلم فضائل صحابہ) اور تیسرے طریقے سے یہ الفاظ ہیں کہ اگر ایمان ثریا سے بھی لٹکا ہوا۔ ھو الی آخرہ (ترمذی تفسیر سورۃ محمد معجم طبرانی کبیر) اور ابن مسعود سے مروی ہے کہ اگر دین ثریا سے بھی لٹکا۔ ھو الی آخرہ (معجم طبرانی کبیر) اور قیس بن سعد بن عبادہ کی روایت ہے کہ اگر علم ثریا سے بھی لٹکا

ہوا۔ هو الیٰ آخرہٖ (الالقاب للشیرازی)۔ اور ابونعیم کی روایت حضرت سلمان فارسی سے اس طرح ہے کہ اگر دین ثریا کے پاس ہوگا تو ضرور اس کو فارس کے کچھ ایسے نوجوان حاصل کریں گے جو میری سنت کی پیروی کریں گے اور مجھ پر کثرت سے درود وسلام پڑھیں گے۔

(حلیۃ الاولیاء)

اب ان احادیث سے اور اس کا مصداق امام اعظم کو قرار دینے سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

1. امام اعظم حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بڑے زبردست عالم ہیں۔
2. وہ سنت کی پیروی کرتے ہیں۔
3. درود وسلام پڑھنے اور زہد وتقویٰ میں آپ کا مرتبہ بلند ہے۔
4. ایمان، دین علم، سب کچھ امام اعظم نے حاصل کرلیا۔
5. اور یقیناً جو سنت کی پیروی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ امام اعظم سے راضی اور خوش ہیں۔
6. سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر آپ نے اس حدیث میں دی، اس بات کو الخیرات الحسان میں ذکر کیا گیا ہے۔
7. امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین بھی امام اعظم کا احترام کرتے اور انہیں اماموں کا امام تسلیم کرتے ہیں۔
8. جو لوگ سنت کی پیروی کرتے ہیں اور کثرت سے درود وسلام پڑھتے ہیں، وہی لوگ علوم ودین کے امام بنتے ہیں، الحمد للہ تعالیٰ اہل سنت ہی کثرت سے درود وسلام پڑھنے والے اور سنت کی پیروی کرنے والے ہیں۔ خیال رہے کہ اصل سنت کی پیروی کرنا اور بات ہے اور کسی چیز کو اپنی طرف سے سنت کا نام دینا اور بات ہے۔

ہوا۔ ھو الیٰ آخرہٖ (الالقاب للشیرازی)۔اورابونعیم کی روایت حضرت سلمان فارسی سے اس طرح ہے کہ اگر دین ثریا کے پاس ہوگا تو ضرور اس کو فارس کے کچھ ایسے نوجوان حاصل کریں گے جو میری سنت کی پیروی کریں گے اور مجھ پر کثرت سے درود وسلام پڑھیں گے۔

(حلیۃ الاولیاء)

اب ان احادیث سے اور اس کا مصداق امام اعظم کو قرار دینے سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

1. امام اعظم حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بڑے زبردست عالم ہیں۔
2. وہ سنت کی پیروی کرتے ہیں۔
3. درود وسلام پڑھنے اور زہد وتقویٰ میں آپ کا مرتبہ بلند ہے۔
4. ایمان، دین علم، سب کچھ امام اعظم نے حاصل کرلیا۔
5. اور یقیناً جو سنت کی پیروی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے راضی ہوتے ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ امام اعظم سے راضی اور خوش ہیں۔
6. سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ظاہر ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر آپ نے اس حدیث میں دی، اس بات کو الخیرات الحسان میں ذکر کیا گیا ہے۔
7. امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین بھی امام اعظم کا احترام کرتے اور انہیں اماموں کا امام تسلیم کرتے ہیں۔
8. جو لوگ سنت کی پیروی کرتے ہیں اور کثرت سے درود وسلام پڑھتے ہیں، وہی لوگ علوم ودین کے امام بنتے ہیں، الحمد للہ تعالیٰ اہل سنت ہی کثرت سے درود وسلام پڑھنے والے اور سنت کی پیروی کرنے والے ہیں۔خیال رہے کہ اصل سنت کی پیروی کرنا اور بات ہے اور کسی چیز کو اپنی طرف سے سنت کا نام دینا اور بات ہے۔

ولادت:

امام اعظم کے سن ولادت میں اختلاف ہے بعض روایات میں ۶۱ ہجری، بعض میں ۷۰ ہجری اور بعض روایات میں ۸۰ ہجری میں آپ کی ولادت ہونا مذکور ہے۔ ان سب روایات کو امام خوارزمی نے جامع المسانید کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ مشہور قول ۸۰ ہجری ہے اور امام اعظم سے خود منسوب ایک حدیث میں یہی سن ۸۰ ہجری مروی ہے۔ البتہ فقیہ العصر نائب مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض قرائن و روایات کی بنا پر نزہۃ القاری کے مقدمہ میں ۷۰ ہجری کو ترجیح دی ہے، اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں سن ولادت کے ضبط کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، کیونکہ اہتمام کسی خاص چیز پر کیا جاتا ہے۔ زندگی میں آدمی جو کارنامہ انجام دیتا ہے اس بنا پر لوگوں میں اس کی حیثیت و مقام بن جاتا ہے، اور جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی شخصیت اہم بن جانے کی وجہ سے لوگ اس کا سن وفات یاد رکھتے ہیں، البتہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی کو بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگے چل کر کیا کرے گا۔ لہٰذا اہل عرب اس کا اہتمام نہیں کرتے تھے، البتہ اگر کسی شخصیت کی بشارت ہوتی یا کوئی غیر معمولی واقعہ ہوتا تو پھر سن یاد رکھا جاتا تھا۔

بہر حال امام اعظم ۷۰ یا ۸۰ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ ۱۷ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص نے آباد کیا اور ایک زمانہ تک اس شہر نے فوجی چھاؤنی کا کام انجام دیا کہ یہ اسلام اور کفر کی سرحد پر واقع تھا۔ کوفہ فارس و عجم کی سرحد شمار ہوتا تھا اور فارس میں ابھی تک اسلام کے قدم مضبوط نہیں ہوئے تھے، پھر جب اسلامی سرحدیں مزید وسیع ہوئیں تو یہ شہر فوجی چھاؤنی ہونے کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہاں متعین فرمایا۔ آپ نے سارے شہر کو علم و فن سے بھر دیا۔ کوفہ میں مختلف وقتوں میں 1500 صحابہ کرام کا قیام رہا جس میں ۷۰ بدری صحابہ بھی تھے، اور 300 بیعت رضوان کے شرکاء تھے، ان صحابہ

کرام کی محنت کے نتیجہ میں کوفہ کے ہر گھر میں علامہ، فہامہ، شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الفقہ، موجود تھے، کوفہ شہر کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے دور تک بلکہ اس کے بعد بھی باقی رہی، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کہتے ہیں کہ میں کوفہ و بغداد میں اتنی بار گیا اس کا کوئی شمار نہیں (طبقات شافعیہ کبری) صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

زمانہ:

امام اعظم جس زمانہ میں پیدا ہوئے وہ صحابہ کرام کا اخیر، اور تابعین کا درمیانی دور تھا یہ وہ دور ہے جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو اس کے بعد آئیں اور پھر ان کا جو ان کے بعد آئیں۔ (مسلم وغیرہ)

پس امام اعظم نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا اس اعتبار سے آپ کا شمار دوسرے بہترین گروہ میں ہوتا ہے، یعنی تابعین میں۔ کیونکہ چند صحابہ کرام کی زیارت بھی آپ نے کی، یوں آپ بھی تابعی ہیں اور حضرات صحابہ کے بعد تابعین کا ہی مرتبہ ہے، اور یہ ایسی نسبت ہے جس میں آپ کے معاصرین میں سے کوئی آپ کے ساتھ شریک نہیں، یہ شرف نہ امام مالک کو حاصل ہے نہ امام سفیان ثوری کو نہ امام شافعی کو اور نہ امام احمد کو حاصل۔ اس اعتبار سے بھی آپ کا مرتبہ تمام مشہور ائمہ مجتہدین سے بلند ہے، حضور اکرم ﷺ کی تابعین حضرات کے لئے بھی خاص طور پر بشارت ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس کو مبارک اور جس نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا اس کو بھی مبارک ہو۔ نیز فرمایا اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (مشکوٰۃ) اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ رب العزت فرماتا ہے کہ جنہوں نے ان (صحابہ کرام) کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ (پ ۱۱ ع ۲)

اس آیت کریمہ اور احادیث طیبہ سے چند فوائد حاصل ہوئے:

1. امام اعظم تابعی ہیں۔

- آپ کا درجہ بخاری مسلم بلکہ ان کے اساتذہ سے بھی زیادہ ہے۔
- آپ کا زمانہ بہترین زمانوں میں سے ایک زمانہ ہے بخلاف مسلم و بخاری کے۔
- آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہیں سرکار دو عالم ﷺ نے خصوصی مبارکباد دی۔
- اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہے۔
- آپ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے لئے قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں فضائل بیان ہوئے۔
- بلکہ ان کو خوشخبریاں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی زبان اقدس سے ملی ہیں۔

امام اعظم نے جن صحابہ کرام سے شرف ملاقات حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں:

1. حضرت انس بن مالک متوفی بصرہ ۹۲، یا ۹۳ ہجری
2. عبداللہ بن ابو اوفی متوفی کوفہ ۸۷ ہجری
3. سہل بن سعد ساعدی متوفی مدینہ منورہ ۸۵ یا ۹۱ ہجری
4. ابو الطفیل عامر بن واثلہ متوفی مکہ مکرمہ ۱۰۰ یا ۱۱۰ ہجری
5. عمرو بن حریث متوفی کوفہ ۸۵ ہجری
6. عبداللہ بن حارث بن الجزء متوفی مصر ۸۵ ہجری
7. واثلہ بن اسقع متوفی شام ۸۵ ہجری
8. عائشہ بنت عجرد۔

مجموعی طور پر مؤرخین و محدثین نے تیس ۳۰ صحابہ کرام کی تعداد لکھی ہے جو امام اعظم کے زمانہ میں تھے۔ (نزہۃ القاری)

امام اعظم کی تابعیت کو ابن سعد نے اپنے طبقات میں، ابن حجر نے تہذیب میں، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں، امام سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں ذکر کیا، اس کے علاوہ ابن جوزی، مزی، یافعی وغیرہم، یہ سب حضرت امام اعظم کی تابعیت پر متفق ہیں، یہ سب وہ حضرات ہیں جو احناف سے تعصب برتتے ہیں، مگر اس

تعصب کے باوجود اعتراف کرتے ہیں کہ امام اعظم تابعی ہیں۔ ورنہ تو ائمہ احناف امام اعظم کی تابعیت پر متفق ہیں۔ امام اعظم کی حضرت انس سے کئی بار ملاقات ہوئی، حافظ صمیری نے اپنی کتاب "مناقب ابی حنیفہ واصحابہ" میں امام اعظم کی حضرت انس سے کئی بار ملاقات کی روایات اور مسائل کا ذکر کیا ہے اور صحابہ کرام سے امام اعظم کی روایات آپ کی مسند میں درج ہیں۔

تعلیم:

امام اعظم کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں کتب میں زیادہ وضاحت وتفصیل سے کلام نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم ۹۴ ھجری کے بعد علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ غالباً اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں صحابہ کرام وتابعین کرام میں علم سے علوم دینی مراد ہوتے تھے، مثلاً قرآن سیکھنا اور سکھانا اور علم حدیث وغیرہ، دیگر علوم چونکہ علوم دینیہ نہیں تھے اس لئے انہیں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔

البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ امام اعظم نے اولاً علم کلام حاصل کیا اور بعد میں علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ کوئی معمولی شعور رکھنے والا یہ سوچ سکتا ہے کہ جس زمانہ اور جس جگہ علوم وفنون کے چرچے ہوں وہاں کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی علوم سے جاہل رہے؟ بلکہ آپ کا پیشہ تجارت ہی اس بات کا مقتضی ہے کہ آپ کو حلال وحرام کی تمیز حاصل ہو، کیونکہ جب تک آدمی کو حلال وحرام کی تمیز حاصل نہ ہو وہ حرام سے کیسے بچے گا؟ نیز صحابہ کرام اور تابعین، علوم کی محفل سجائے بیٹھے ہوں اور امام صاحب ان سے صرف نظر کر کے نکل جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ ۹۶ ھجری میں آپ نے پہلا حج کیا اور اس کے بعد تحصیل فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، تو پہلے حج کے سال کو بعض لوگ تحصیل علوم کی ابتداء قرار دیتے ہیں۔ ۹۶ھ میں پہلا حج یوں مانا جائے گا کہ آپ نے ۵۵ کئے ہیں اور ۱۵۰ھ میں وصال ہوا ہے، تو یقیناً ۹۶ھ میں پہلا حج ہوا۔ حالانکہ آپ کی عمر کے کتنے ہی لوگ تحصیل علم میں مشغول ہوں اور آپ ان سے کوئی شغف نہ رکھیں؟ یہ سب باتیں قابل تسلیم نہیں، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ

آپ نے ضرورت کی حد تک حلال وحرام کا علم حاصل کیا، مگر آپ کا انہماک علم کلام میں تھا، فقہ، حدیث میں زیادہ نہ تھا اس طرف توجہ بعد میں ہوئی۔

علم کلام سے مراد موجودہ علم کلام نہیں۔ بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات پر قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریئے کی تردید مراد ہے۔ اس زمانے میں چونکہ اسلام کی سرحدیں روم اور فارس تک پہنچ چکی تھیں جہاں کے لوگ عقلی دلائل پر زور دیتے تھے، اور کچھ مخصوص اصطلاحات اس کے لئے استعمال کرتے تھے، لہٰذا امام اعظم نے ان ہی کی طرز پر ان لوگوں کا ذکر کیا۔

یحییٰ بن شیبان کی ایک روایت ابوزہرہ مصری نقل کرتے ہیں کہ امام اعظم نے بتایا: میں ایک زمانہ تک علم کلام میں مشغول رہا اور ایک بڑی مدت تک اس قسم کے لوگوں سے مناظرے کئے، حتیٰ کے میں بیسیوں مرتبہ بصرہ گیا (جو ان دنوں فرق باطلہ کا گڑھ تھا) اور وہاں ہر مرتبہ لمبا قیام کیا، کبھی سال بھر، کبھی کم یا کبھی زیادہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔

(سیرت امام اعظم، ابوزہرہ مصری)

ایک محتاط اندازے کے مطابق امام اعظم اٹھائیس (۲۸) سال سے زائد عرصہ حضرت حماد کی خدمت میں رہے (ابوزہرہ)، اور حضرت حماد کا انتقال ۱۲۰ ھجری میں ہوا، تو یقیناً اس سے قبل ہی مرتبہ بصرہ جانا ہوا، تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب باتیں آپ کے بچپن اور لڑکپن کی ہیں، کیونکہ آپ نے حضرت حماد کی خدمت میں آ کر علم کلام سے غیر معمولی تعلق ختم کر دیا تھا، جیسا کہ آپ سے ہی مروی ہے کہ جب میں ایک مدت مناظروں میں صرف کر چکا، تو میں نے سوچا اور خود سے پوچھا، کہ کیا مجھے وہ سب علم حاصل ہے جو صحابہ کرام کو آتا تھا؟ اور تابعین ان کے ماہر تھے؟ تو جواب ملا کہ وہ لوگ جدل ومناظرہ نہیں کرتے تھے، بلکہ تعلیم وافتاء میں مشغول رہتے تھے، مگر آج لوگوں کا یہ حال نہیں ہے یہ سوچ کر میں نے علم کلام اور مناظرے چھوڑ دیئے اور فقہ کی تحصیل میں لگ گیا۔ (مناقب موفق مکی)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ جب تحصیل فقہ میں لگے تو علوم دینیہ کے ہی ہو کر رہ گئے

اور دوسرے علوم سے غیر معمولی شغف ختم کر دیا۔

امام شعبی والی روایت بھی ملاحظہ ہو، تجارت کی وجہ سے ہر قسم کے لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوتی رہتی، امام شعبی سے ایک دن ملاقات ہوئی تو انہوں نے جوہر قابل پہچان لیا پوچھا کیا کرتے ہو؟ جواب دیا کہ تجارت میں مشغول رہتا ہوں، فرمایا علماء کے پاس جاتے ہو؟ جواب دیا میں ان کے پاس کم جاتا ہوں، تو امام شعبی نے کہا تم میں استعداد ہے، علماء کے پاس بیٹھو علم حاصل کرو، اور آپ کو تحصیل علم کی خوب ترغیب دلائی، تو امام شعبی کی بات امام اعظم کے دل میں اتر گئی، اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بازار جانا چھوڑ کر تحصیل علم شروع کر دیا۔ (مناقب موفق مکی)

یقیناً امام شعبی نے علم کے کچھ آثار دیکھے تبھی ترغیب دلائی، ورنہ جو شخص ان پڑھ ہے اور محض تاجر ہے اس میں ایک اجنبی شخص کو کیا استعداد نظر آئے گی؟ حقیقت یہی نظر آتی ہے کہ امام شعبی امام اعظم کی کلامی مہارت اور بصیرت سے ایک عرصہ سے واقف تھے، انہوں نے چاہا کہ ایسے آدمی کو فقیہ بھی ہونا چاہئے لہٰذا انہوں نے یہ مشورہ دیا۔

غور سے اس واقعہ کو پھر پڑھیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ در حقیقت جاہل کو علم کی ترغیب نہیں دی جارہی، بلکہ ایک عالم کو مزید حصول علم اور مجالست کی دعوت دی جارہی ہے۔

بہر حال یہ بات ماننی پڑے گی کہ آپ نے اپنے زمانے کے دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم حاصل کی، مثلاً تجوید وقرات، مسائل ضروریہ، صرف ونحو، ادب، طبقات، مغازی، کلام، سلوک، حلال وحرام کا علم ضروری حد تک، احادیث، تفسیر، اصول، جدل اور حساب وغیرہ پڑھا، پھر اپنے آبائی کام تجارت میں مشغول ہوئے اور ساتھ علم کلام میں مشغول رہے چونکہ تجارت کی غرض سے آپ کا مختلف جگہ آنا جانا ہوتا تھا، تو اس میں مناظرے بھی ہوتے رہے ہونگے، اور جب حضرت انس کا انتقال ۹۳ ہجری میں ہوا اور آپ حضرت انس کی خدمت میں متعدد بار گئے ہوں، تو یہ ناممکن ہے کہ انہوں نے بھی طلب علم پر نہ ابھارا ہو، اور ان کی خدمت میں حاضری کے باوجود علم حاصل نہ کیا ہو، بلکہ لاعلم رہے ہوں۔ نیز صحابہ کرام کی خدمت میں

مسلسل آنے جانے اور ان سے مسائل پوچھنے کے باوجود علم حاصل نہ کیا ہو مطلق ان پڑھ رہے ہوں! یہ بات معمولی شعور رکھنے والا آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کرلی تھی، اور صحابہ سے روایات بھی اس تعلیمی عرصے میں لیں، اگر محض تاجر ہوتے تو ایک خالص تاجر کو صحابی سے حدیث سننے کا شوق کیوں ہوتا؟؟؟

ہمارے اس مؤقف کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو امام اعظم سے مروی ہے، کہ جب میں نے حصول علم کا ارادہ کیا، تو تمام علوم وفنون کو ایک ایک کرکے پڑھا اور سب کے فوائد وعاقبت میں غور کیا پھر علم فقہ کو اختیار کیا (ملخص، مناقب مکی ۵۲) اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم نے تمام علوم حاصل کرلئے تھے، امام شعبی کا واقعہ، دیگر واقعات پیش آئے تو پھر آپ مستقل علوم دینیہ کے ہو کر رہ گئے، اس بات کی تائید میں مزید واقعات درج کئے جارہے انہیں بھی غور سے پڑھیں (واللہ ورسولہ اعلم)

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں علم کلام میں اتنا ماہر ہوگیا کہ لوگ میری ہی جانب اشارہ کرتے، اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے، اور ہمارا حلقہ امام حماد کے حلقہ کے قریب لگتا تھا، اسی دوران ایک خاتون آئیں اور مجھ سے سنت طلاق کے بارے میں پوچھا، میں نے انہیں امام حماد کی جانب بھیج دیا اور کہا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بھی بتادینا، چنانچہ وہ خاتون امام حماد سے وہ مسئلہ پوچھ کر آئیں اور جواب مجھے بتادیا، اس پر مجھ کو بہت افسوس ہوا کہ مجھے مسائل کے جواب پوری طرح نہیں آتے، چنانچہ میں امام حماد کے حلقہ درس میں پابندی کے ساتھ شریک ہونے لگا۔ یہ واقعہ امام حماد کی شاگردی میں آنے سے پہلے کا ہے، مورخین امام اعظم کے فقہ سیکھنے کی جانب توجہ مبذول ہونے کے سلسلے میں یہی واقعہ بیان کرتے ہیں، نیز امام اعظم کا بھی بیان ہے کہ مجھے ایک عورت نے فقہ کی جانب متوجہ کیا۔

(مناقب موفق)

پس اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام حماد کی شاگردی میں آنے سے پہلے ہی آپ کی

شہرت ہو چکی تھی، اور آپ کا تعلیمی حلقہ بھی لگتا تھا، لوگ آپ سے مسائل بھی پوچھتے رہتے تھے۔ تو یقیناً ایک مدت علم کی تحصیل میں صرف کی ہوگی، مگر فقہ و حدیث سے غیر معمولی شغف امام حماد کی شاگردی کے بعد ہی ہوا۔

ان تمام روایات و واقعات سے معلوم ہوا کہ امام اعظم نے اپنے بچپن ولڑکپن کے عرصے میں علوم کا بڑا حصہ حاصل کیا، بلکہ امام حماد کی شاگردی میں آنے سے پہلے ہی آپ کی شہرت لوگوں میں ہو چکی تھی، آپ لوگوں سے مسائل کے بارے میں گفتگو فرماتے اور جن مسائل کا جواب نہ آتا، تو دوسرے علماء کی جانب مسائل کو بھیج دیتے۔ لوگوں سے مناظرے بھی ہوتے، سفر کے دوران بھی سوال و جواب اور مسائل پر گفتگو کا سلسلہ چلتا رہتا، مگر جب علوم سے دل سیر نہیں ہوا اور نیز یہ بھی دیکھا کہ لوگوں کو فقہ کی زیادہ ضرورت ہے، نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی طریقہ تعلیم دینے اور مسائل سکھانے کا تھا، تو آپ نے مستقل طور پر، فقیہہ و امام حماد بن ابو سلیمان کی صحبت اختیار کی، جیسا کہ مذکورہ واقعہ کی تفصیل میں امام صاحب خود بیان کرتے ہیں، کہ پہلے میں آپ کی باتیں یاد کرتا تھا اور غلطی نہیں کرتا تھا، چنانچہ انہوں نے مجھے اپنے قریب بٹھانا شروع کر دیا، اور یوں امام اعظم اپنے استاد کے منظور نظر ہوتے گئے۔

تقریباً دس سال امام اعظم نے امام حماد کی خدمت میں گزار دیئے، پھر آپ کو اپنا حلقہ الگ کرنے کا خیال کیا، اسی دوران امام اعظم کو بصرہ جانے کا اتفاق ہوا، امام زفر امام اعظم کا قول بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ آیا، اور میرا خیال تھا کہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال ہوگا میں اس کا جواب دونگا، تو لوگوں نے بعض اشیاء کے بارے میں پوچھا تو میرے پاس ان کا جواب نہ تھا، تو میں نے خود پر لازم کرلیا کہ تاحیات امام حماد سے جدا نہیں ہوں گا۔

ایک مرتبہ امام حماد بن ابو سلیمان کو اپنے کسی عزیز کے انتقال کی وجہ سے بصرہ جانا پڑا، تو امام اعظم کو ان کی موجودگی میں فتاوی جاری کرنے کا موقع ملا، تقریباً ایک ماہ کے بعد وہ واپس آئے، تو امام اعظم نے اس دوران ساٹھ مسائل کے فتاوی جاری کئے، امام حماد نے چالیس کو صحیح قرار دیا اور بقیہ بیس میں جو کمی تھی اس کو بیان کیا، امام اعظم فرماتے ہیں کہ پھر

میں اٹھارہ سال مزید ان کی خدمت میں رہا۔ (مناقب کردری)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے دس سال امام حماد کی خدمت میں گزارے، پھر آپ کو حلقہ الگ لگانے کا خیال آیا، تو آپ کافی حد تک علم حاصل کر چکے تھے، کیونکہ کسی ان پڑھ آدمی کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ وہ اپنا حلقہ درس الگ قائم کرے، پھر آپ بصرہ بھی گئے، ظاہر ہے کہ کسی جاہل آدمی کی اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ وہ ہر مسئلہ کا جواب دے سکے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ آپ کافی حد تک علم حاصل کر چکے تھے جب ہی خود کو جواب دینے کے قابل سمجھا، مگر یقینی بات ہے کہ علم کی کوئی حد نہیں "فوق کل ذی علم علیم" ہر عالم سے بڑا عالم موجود ہے، لہٰذا بعض اشیاء کا جواب نہ دے سکے تو احساس ہوا کہ کچھ کمی ہے، تو مزید اٹھارہ سال امام حماد کی خدمت میں گذار دیئے۔

اس واقعات سے جہاں آپ کی مدت تعلیم پر روشنی پڑتی ہے وہیں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے لڑکپن کے دور سے ہی تعلیم کی ابتداء کر چکے تھے، امام اعظم نے تعلیم کی طرف توجہ لڑکپن کے دور سے ہی دی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک طویل عرصہ امام شعبی کی خدمت میں گزارا، امام شعبی کا انتقال ۱۰۴ھ میں ہو چکا تھا طویل عرصہ کا مطلب ہے کہ کم از کم نو دس سال ضرور رہے ہونگے، تو اس حساب سے آپ کی صحبت میں رہنے کا زمانہ ۹۴ھ یا ۹۵ھ سے شروع ہوا ہوگا، بلکہ حضرت ابراہیم نخعی فقیہہ کوفی بھی امام اعظم کے اساتذہ میں سے ہیں، اور آپ کا انتقال ۹۴ھ میں ہوا، گویا اس سے قبل ہی امام اعظم علم کی طرف متوجہ ہوئے، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ امام اعظم جوانی تک علم سے محروم نہیں تھے۔ بلکہ حسب دستور ابتدائی تعلیم نیز حلال وحرام کا علم حاصل کرنے کے بعد تجارت اور ساتھ ساتھ علم کلام کی طرف توجہ دی تھی، اور اپنا حلقہ امام حماد کے حلقہ کے قریب ہی لگاتے تھے، اور بچپن سے ہی تحصیل علم کی طرف متوجہ تھے، پہلے متکلم اور جدلی کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اٹھائیس سال امام حماد کی خدمت میں رہے، پھر علوم دینیہ میں انہماک امام شعبی اور چند ایک واقعات کی وجہ سے اسقدر بڑھا کہ علم کلام سے غیر معمولی شغف ختم کر دیا اور

فقہ وسنت کے امام بن گئے۔

قبیصہ بن عقبہ بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ امام اعظم ابتداء میں بدعتی لوگوں اور بدمذہبوں سے مناظرے کرتے تھے، یہاں تک کہ سب پر آپ کی دھاک بیٹھ گئی، اور آپ اس فن کے بہت بڑے سردار بن گئے، پھر آپ نے مناظرے چھوڑ دیئے اور فقہ وسنت کی طرف چلے گئے تو اس میں بھی امام بن گئے۔

اب ایک روایت اور ملاحظہ ہو جس سے بالکل واضح ہو جائے گا کہ امام اعظم نے بچپن سے ہی علم کی تحصیل فرمائی، مگر اول علم کلام میں مشغول ہوئے، اور فقہ وحدیث سے غیر معمولی تعلق بعد میں ہوا۔

نعیم بن عمرو کہتے ہیں کہ امام اعظم نے بتایا: میں حجاج بن یوسف کے دور میں لڑکا تھا، بازار میں کام کاج کرتا اور لوگوں سے دین کے بارے میں مناظرے کرتا تھا، ایک دن ایک شخص نے مجھ سے بعض فرائض کے بارے میں پوچھا، تو میں صحیح طرح نہیں بتا سکا، تو اس نے کہا: تم لوگوں سے ایسے معاملات میں کلام کرلیتے ہو جو بہت ہی باریک بینی کے حامل اور دقیق ہوتے ہیں اور میں تمہیں بہت ذہین دیکھ رہا ہوں، لیکن کمال ہے تم فرائض کا درست جواب نہیں دے سکتے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے شرم محسوس کی اور علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر امام اعظم نے بتایا کہ میں امام شعبی کی خدمت میں رہا، قتادہ کی اور دیگر حضرات کی خدمت میں رہا، حتیٰ کہ امام حماد بن ابو سلیمان کے پاس پہنچا تو مستقل ان ہی کی خدمت میں رہا۔

نوٹ:

امام اعظم نے عربی میں اپنے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا، جس کا ترجمہ اس فقیر نے "لڑکا" کیا ہے غلام عربی میں ایسے لڑکے کو کہتے ہیں جو نوجوان ہو یعنی حد سے حد اس کی عمر ۱۵، ۱۶ سال تک ہو۔

اس روایت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ امام اعظم نے ابتداء ضروری علم سیکھا، اور پھر ایک عرصہ تک علم کلام میں مشغول رہے، بلکہ آپ تمام مروجہ علوم وفنون سیکھ کر جامع معقول اور منقول ہو چکے تھے، حتیٰ کہ حجاج کے زمانے میں ہی علم کلام میں امام کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے، حجاج بن یوسف کی موت ۹۵ میں ہوئی اور اس دوران آپ کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ لوگ آپ سے مسائل پوچھنے آنے لگے تھے، ان ہی میں وہ خاتون بھی تھیں جن کا واقعہ پیچھے مذکور ہے اور یہ واقعہ بھی اسی دور کا ہے، تو یقیناً آپ بچپن میں علم سے کورے نہیں تھے، اور نہ ہی ۹۴ھ کے بعد تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، بلکہ اس سے پہلے ہی آپ تمام مروجہ علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل کر چکے تھے، البتہ فقہ سے غیر معمولی تعلق بعد میں ہوا۔ اور جس طرح آپ علم کلام کے امام تھے بعد میں علوم دینیہ کے بھی امام قرار پائے۔ (وذلك فضل الله یوتیه من یشاء)

اس فقیر نے اس بارے میں اسقدر تفصیل اس لئے لکھی، کہ بعض جہلاء امام اعظم کا مذاق اڑاتے ہیں کہ بیس سال بالکل (معاذ اللہ) ایسے جاہل تھے کہ حجام بھی بال کاٹتے وقت آپ کو غلطیوں پر ٹوکتے تھے، اور احناف ایسے شخص کی پیروی کرتے ہیں جو جوانی تک (معاذ اللہ) جاہل تھا اور جو جوانی تک جاہل ہو وہ کیا علم حاصل کریگا؟ کیا قرآن وحدیث سے واقف ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ مگر الحمدللہ تعالیٰ اس فقیر نے تمام روایات کا تجزیہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے، جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام اعظم جوانی تک ہرگز علم سے غافل نہیں رہے، بلکہ بچپن سے علم کے قریب رہے، ایک زمانہ تک علم کلام کی طرف زبردست توجہ دی اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو مسائل بھی بتاتے رہے، مگر ایک خاتون اور امام شعبی نے آپ کے افکار و انہماک کا رخ علوم دینیہ کی طرف ایسا موڑا کہ آپ پھر فقہ میں امام اور حدیث میں حاکم کہلائے۔ (ذلك فضل الله یوتیه من یشاء)

مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ان مورخین وتذکرہ نگاروں پر جو ان واقعات کو پڑھتے ہیں، بیان کرتے ہیں، مگر اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس پر غور نہیں کرتے، اور یہ کہہ دیتے ہیں

کہ امام صاحب نے جوانی میں علم کی طرف توجہ دی، اور اس سے قبل حصول علم کی طرف آپ متوجہ نہیں تھے۔ اگر چہ جوانی میں علم حاصل کرنا کوئی شرمناک بات نہیں، مگر بات وہ بیان کرنی چاہئے جو سچ اور حق ہو۔

بحمداللہ تعالیٰ اس فقیر نے اپنی علم کے مطابق امام اعظم کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک حقیقت کو پیش کیا ہے جس پر نا قابل تردید واقعات شاہد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باقی رہا حج کا وہ واقعہ جس میں منقول ہے کہ حجام بھی آپ کو بعض چیزیں بتا تا رہا، تو اس بارے میں عرض ہے کہ جب تک آدمی خود حج نہیں کرلے، حج کے مسائل صحیح طرح نہیں سمجھ سکتا خواہ کتنی ہی کتابیں پڑھ لے، جب وہاں جاکر آثار و تبرکات کو ملاحظہ کرے گا تب ہی صحیح طریقہ سے وہاں کے مسائل سمجھے گا، لیکن جو شخص وہاں رہتا ہو اس کو یہ باتیں سمجھنے میں اتنی دشواری نہیں ہوتی جتنی کسی اجنبی کو ہوتی ہے، امام صاحب وہاں رہتے نہیں تھے اور پہلی مرتبہ حج کے لئے حاضر ہوئے تھے، تو یقینی بات ہے کہ بعض مسائل پہلے سیکھے تھے اور بعض وہاں جاکر سیکھے، جبکہ وہ حجام وہیں کا تھا اور اس کے لئے پہلا موقع نہیں تھا، اس لئے وہ ان مسائل سے بخوبی واقف تھا، تو یقینی بات ہے کہ وہ دوسروں کی اصلاح کرسکتا تھا، اس کو دوسروں کی اصلاح کرنا آسان تھا۔ بہرحال اس واقعے سے امام اعظم کی ذات اور آپ کے علم پر کوئی غبار نہیں۔

علم کلام کی تحصیل:

امام اعظم کی ابتدائی تعلیم کی تفصیل چونکہ کتب میں موجود نہیں ہیں، اس لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ علم کلام یا عقائد میں آپ کے اساتذہ کون سے ہیں؟ البتہ دیگر علوم میں اساتذہ کے حالات کہیں کہیں ملتے ہیں، وہ علوم جو آپ بچپن میں حاصل کرچکے ان کے اساتذہ کے نام آگے آرہے ہیں، البتہ علم کلام کے حوالے سے آپکے واقعات مشہور ہیں۔

علم کلام میں اولاً مشغولیت کی کیا وجہ ہے اس کا اندازہ اس وقت کے حالات و

واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دور ایسا دور ہے کہ جس میں ایک جانب تو اسلامی سرحدیں پھیل رہی تھیں، مگر دوسری جانب بنوامیہ اور بنوعباس میں حکومت حاصل کرنے کی کشمکش بھی ہو رہی تھی، عرب میں مسائل پر سیدھی سادی گفتگو کی جاتی تھی، چنانچہ جب تک اسلام عرب کی سرزمین میں رہا اس میں سیدھے اور واضح طریقے سے مسائل بیان کئے جاتے تھے، مگر عرب سے باہر کے علاقوں کا مزاج مختلف تھا کہیں فلسفہ اور عقلی دلائل کا زور تھا حتیٰ کہ بعض جگہ کسی چیز کے وجود کو بھی عقلی دلائل سے ہی بیان کیا جاتا، خواہ وہ چیز سامنے ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں ایسے گروہ کو بھی بیان کیا ہے اور مختصراً ان کے بارے میں بتایا کہ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ نہ صرف کسی چیز کے وجود میں شک ہے، بلکہ اس کے شک میں بھی شک ہے۔ اسی طرح بعض ممالک میں جادوگری اور شعبدہ بازی کا زور تھا بعض ممالک میں دوسرے مذہبی وعقلی رجحانات تھے جب اسلام کی سرحدیں پھیلیں تو لوگوں نے اسلام کے سیدھے سادے مسائل میں عقلی دلائل اور فلسفہ کی اتنی بھرمار کر دی، کہ سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنے ہی دین میں شک ہونے لگا، اور ان مسائل اور مشکلات کو حل کرنے سے ان کے ذہن قاصر رہے، مشرق کا خاصہ ہے کہ یہاں کہ لوگ باریک بینی اور احتمالات کثیرہ کے عادی ہوتے ہیں، یوں کہنا چاہئے کہ سیدھے سادے مسائل میں بھی بال کی کھال اتاری جاتی ہے، اور اس طرح کی عادات فارس، ہندوغیرہ میں زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایسے ماحول میں کوئی شخص پروان چڑھتا ہے تو وہ بھی ایسی ہی سوچیں رکھتا ہے، اور ایسا آدمی کسی ایسے شخص سے گفتگو کرے جو فلسفہ اور عقلی دلائل کی اصطلاحات سے واقف نہ ہو تو سچا آدمی بھی جھوٹا ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ایک صاحب اس فقیر کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ قربانی کے جانور کے گلے میں جو رسی باندھی جاتی ہے ذبح کے بعد اس رسی کا کیا کریں؟ میں نے کہا پھینک دو، تو وہ صاحب ناراض ہوئے کہ ایک ایسی چیز جس

کا تعلق مقدس فریضہ سے ہوگیا وہ بھی قابل احترام ہوگئی اور آپ اس کو پھینکنے کا کہہ رہے ہیں۔ یہ ان کی گفتگو کا خلاصہ تھا جو کافی دیر تک کرتے رہے۔ بالآخر میں نے کہا کہ اس کو احتیاط سے صاف ستھرا کر کے رکھ لیجئے تا کہ اگلے سال کام آئے اس طرح اس کی بے ادبی نہیں ہوگی، یہ بات ان کے دل کو لگی اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اس واقعہ سے مشرق کے لوگوں کی باریک بینی والی عادت پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ اور مزید اس واقعہ پر تبصرہ کی ضرورت یہ فقیر نہیں سمجھتا، ہر شخص اس واقعہ کا مطلب اور نتیجہ خود نکال سکتا ہے۔

بالکل اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات تخلیق اور بعث کے مسائل اور فرشتوں وجنوں کے بارے میں جو کچھ مذکور ہے، اہل عرب نے اس کو سیدھے طریقے سے لیا اور خلوص واعتقاد سے قبول کیا، مگر فارس اور دیگر علاقوں میں ان مسائل پر عقلی گفتگو شروع ہوگئی، اور بڑھتے بڑھتے انتہائی دقیق اشیاء سامنے آنے لگیں، جو ان ممالک کے تہذیب وتمدن کے لحاظ سے یقیناً ہونی تھیں، تنزیہہ، تشبیہ، عینیت، وغیریت حدوث وقدم وغیرھا جیسے۔ بہت سے مسائل سامنے آنے لگے، اور جو غیر مسلم عقلی گفتگو کرنے کے عادی تھے وہ مسلمانوں کے عقائد میں الٹی سیدھی باتیں داخل کرنے لگے، اور رفتہ رفتہ بحث وتدقیق کی وسعت نے ان چیزوں کو اتنا عام کر دیا، کہ یہ علم مستقل فن کی صورت میں سامنے آنے لگا۔ گلی کوچوں میں ان کی صدائیں بکھرنے لگیں اور قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صداؤں میں شامل ہونے لگیں۔ پہلے یہ چیزیں محض سیاسی معاملات تک محدود تھیں، مگر جب اعتقادی مسائل میں موشگافیاں ہونے لگیں اور اختلاف رائے سے اعتقادی فرقے بننے لگے، تو اہل حق کو بھی، جو، اب تک اس سے الگ تھے، اس طرف متوجہ ہونا پڑا، تا کہ مخالفین کا جواب ان ہی کے طریقہ سے دیں۔ بہت سے لوگوں نے اس بارے میں ٹھوکریں بھی کھائیں اور بہک گئے، اور اس طرح مرجی، رافضی، معتزلی، خارجی اور جہمی فرقے اہل سنت و جماعت سے الگ، فرقوں کی حیثیت سے ابھرے۔

بہکنے کی وجہ یہ تھی کہ جب غیر قوموں کے اعتراض کا جواب نہ بن پڑتا، تو اسلامی

مسائل کو بھی جھٹلا دیتے، اور یوں گمراہی کا شکار ہو جاتے۔ اور جواب نہ بن پڑنے کی وجہ بھی یہی تھی، کہ عقلی دلائل اور فلسفہ کی بھرمار، عرب کا مزاج نہیں تھا اسلئے کہیں کہیں الجھ جاتے۔ ایسے ماحول میں ایک شخص کی ضرورت تھی جو، ان گمراہوں کا بھرپور رد کرے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نسلاً فارسی تھے، اگرچہ عرب میں پیدا ہوئے۔ مادری زبان عربی تھی تحقیق اور تدقیق کا خاصہ جو اہل مشرق کا حصہ ہے، وہ امام اعظم میں موجود تھا، آپ نے اس چیز کو محسوس کیا اور آپ نے ان گمراہ فرقوں کا رد کرنا شروع کر دیا، اور ان ہی کے طریقے سے کیا، اور فارسی النسل ہونے کی بناء پر عقلی دلائل کی جودت اور بزلہ سنجی ابھر آئی، آپ نے نکتہ آفرینی اور باریک بینی کی طبیعت سے بھرپور مزاج، اور عرب کا سا دماغ پایا، جو ایک دفعہ سن لیا مستقل یاد رہا، اس وقت تک علم کلام باقاعدہ مدون نہیں ہوا تھا، بلکہ اس کی تحصیل کے لئے قدرتی ذہانت، گفتگو پر قادر ہونا اور مذہبی معلومات کافی تھیں، اور امام اعظم میں یہ سب خوبیاں موجود تھیں۔ جب آپ نے گمراہ باتوں اور فرقوں کا رد کرنا شروع کیا تو یہ بدمذہب آپ کے علم و گفتگو کے آگے عاجز آ گئے، اور آہستہ آہستہ امام اعظم اس حوالے سے اسقدر مشہور ہو گئے، کہ لوگوں کو جہاں بھی اس میدان میں مناظرہ کی ضرورت پڑتی، تو امام اعظم کی جانب ہی اشارہ کرتے، اور امام اعظم مناظرہ میں مخالفین کا ایسا بھرپور جواب دیتے، کہ پہلے ہی مرحلے میں مخالف مبہوت ہو کر چت ہو جاتا۔ امام اعظم کے بعض مناظروں کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

فقہ کی طرف توجہ:

امام اعظم دیگر علوم و فنون میں تو مہارت کر چکے تھے، علوم نقلیہ و عقلیہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد فقہ و حدیث میں مہارت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کے فقہ کی طرف متوجہ ہونے کے واقعات پیچھے مذکور ہوئے، جب آپ علوم دینیہ کی طرف متوجہ ہوئے، تو سب سے پہلے کوفہ میں، یعنی اپنے شہر میں جتنا علم بکھرا ہوا تھا حاصل کیا، کوفہ میں حدیث و فقہ کا جس قدر علم تھا امام اعظم اس کے امام بن گئے۔ آپ کے ہم سبق مسعر بن کدام

جنہیں امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ، اور امیر الفقہاء سفیان علم کا ترازو کہتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کا ہم درس تھا، وہ حدیث کے طالب بنے تو حدیث میں ہم سے آگے نکل گئے، یہی حال زہد وتقویٰ کا ہوا، اور فقہ کا معاملہ تو ہمارے سامنے ہی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ وغیرہ، امام اعظم اور علم حدیث)

خیال رہے کہ علم کا مقصد یہ نہیں کہ آدمی کتابیں پڑھ لے اور اس کو آتا جاتا کچھ نہ ہو، بلکہ علم کا مقصد یہ ہے کہ مسائل اور دلائل اس کے سینے میں اور ذہن میں موجود ہوں، ایک عالم کا مقولہ ہے کہ "العلم فی الصدور لیس فی السطور" علم وہ ہے جو سینوں میں ہے وہ نہیں ہے جو لکھا ہوا ہے۔ یعنی حقیقی معنوں میں عالم وہی ہے کہ علم اس کے سینے میں ہو اور جو پوچھا جائے اس کا جواب دلائل سے دے سکے، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ کو یہ کہتے نہیں سنا گیا کہ کتب سے جواب دوں گا بلکہ آپ تو فوراً جواب دے دیتے ہیں؟ اعلیحضرت نے فرمایا کہ قبر میں منکر نکیر کو جواب دینے کے لئے کتب کہاں سے لاؤں گا؟ درحقیقت یہ مصطفی کریم ﷺ کا کرم تھا، ایسا ہی کرم امام اعظم پر بھی ہوا، اور آپ تمام علوم از بر کر کے اپنے زمانہ کے نہ صرف بہت بڑے عالم بن گئے، بلکہ اپنے بعد بھی کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہ چھوڑا۔

اس زمانہ میں علوم آج کی طرح مدون نہیں تھے، گھر گھر، قریہ قریہ، حلقہ حلقہ، جا کر علم حاصل کرنا پڑتا تھا، امام اعظم نے ۵۵ حج کئے، حج کے موقع پر بڑے بڑے علماء اکٹھے ہو جاتے تھے، اور یوں امام اعظم اس نادر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ نیز آپ نے کئی دوسرے شہروں میں جا کر اکتساب علم کیا اور یوں آپ کے مشائخ کی تعداد مورخین چار ہزار سے زائد بیان کرتے ہیں، ممکن ہے کہ بعض کو یہ مبالغہ لگے، مگر اس وقت جبکہ علم وحدیث ابھی مدون نہیں ہوا تھا درسگاہیں زیادہ نہیں تھیں، نہ ہی ایک شہر میں اتنے اساتذہ تھے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ امام اعظم نے علم حدیث کی جستجو میں بہت محنت کی، اور مختلف شہروں کا سفر کیا، اور ہر چھوٹے بڑے محدث سے علم حاصل کیا، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم تمام علوم میں

سب سے بازی لے گئے، مگر چند مشہور ائمہ کے علاوہ سب کے نام و احوال محفوظ نہیں، مگر جتنے نام محفوظ ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ہر استاد علم وفن کا ایک (چمکتا ہوا) روشن آفتاب ہے۔

ابو جعفر منصور نے امام اعظم سے ایک مرتبہ پوچھا: آپ نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا؟ فرمایا: میں نے علی المرتضیٰ کے اصحاب سے حضرت علی کا علم، ابن مسعود کے اصحاب سے ابن مسعود کا علم، ابن عباس و ابن عمر کے اصحاب سے ابن عباس و ابن عمر کا علم حاصل کیا۔ ابو جعفر کو اعتراف کرنا پڑا کہ آپ علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔

امام اعظم کے اساتذہ میں سے پہلا طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، جن کے نام پیچھے درج ہو چکے ہیں۔ دوسرا طبقہ ان تابعین کا ہے جو صحابہ کرام کے شاگرد تھے اور ان کا کبار تابعین میں شمار ہوتا ہے، مثلاً: نافع، زہری، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، قاسم بن محمد، طاؤس، عکرمہ، ابن دینار، حسن بصری اور قتادہ وغیرہ۔ تیسرا طبقہ صغار تابعین کا ہے جنہوں نے صحابہ کرام کی زیارت کی مگر تربیت تابعین سے پائی جیسے حماد بن ابو سلیمان اور شعبہ وغیرہ۔ چوتھا طبقہ آپ کے معاصرین و شاگردوں کا ہے جیسے داؤد طائی، ثوری، مکی بن ابراہیم وغیرہ۔ امام اعظم کے اساتذہ میں سے بعض کے حالات علامہ محمد حسن سنبھلی علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب تنسیق النظام بشرح مسند الامام میں لکھے ہیں وہاں سے بعض اساتذہ کے بارے میں یہاں لکھا جا رہا ہے۔

امام عاصم بن ابو النجود کوفی جو فن وقرات کے امام ہیں، اور دنیا بھر میں سب سے زیادہ آپ کی قرات کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے، امام عطاء بن ابی رباح مکی جو فن حدیث و تفسیر کے بے مثال امام ہیں، امام طاؤس، امام عکرمہ وغیرہ فن تفسیر و حدیث کے ائمہ شمار ہوتے ہیں، اپنے وقت کے عظیم محدثین نافع غلام ابن عمر، زھری، جو علم الاسناد کے بانی ہیں۔ حسن بصری، جن کا تصوف و سلوک میں ایک نام ہے۔ قاسم بن محمد بن ابو بکر، جن کا شمار مدینہ منورہ کے فقہاء میں ہوتا ہے۔ نیز سالم بن عبداللہ بن عمر اور سلیمان بن مہران، ان کا شمار فقہاء سبعہ میں کیا جاتا ہے، امیر المومنین فی الحدیث شعبہ، امام جعفر صادق

اور ان کے والد امام محمد باقر جن کے پاس ایسے نادر علوم مثلاً جفر تکسیر وغیرہ، جو دوسروں کے ہاں دستیاب نہیں تھے، بلکہ تصوف وسلوک کے بھی بلند مراتب پر فائز تھے، سب سے بلند مرتبہ فقیہہ امام حماد بن ابوسلیمان۔ جن کی شاگردی میں پہلے دس سال پھر اٹھارہ سال گزارے۔ (کردری) عامر شعبی جو اپنے دور میں کوفہ میں سب سے بڑے امام حدیث تھے، شیخ الکوفہ حکم بن عتیبہ جن کے بارے میں ابن عیینہ کا فرمان تھا کہ حکم اور حماد جیسا کوئی نہیں، حافظ شیبان جن کی جلالت علمی پر سب متفق ہیں، ابوحجیہ یحییٰ بن عبداللہ کندی المعروف اجلح جو کہ امام النحو ابوالاسود دوئلی کے شاگرد ہیں اور یہ ابوالاسود بانی نحو ہیں، اور علم نحو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا ہے۔

غرض یہ کہ امام اعظم کے اساتذہ میں کوئی بھی بدعقیدہ اور متروک راوی نہیں ہے۔ البتہ عبدالکریم ابن المخارق پر اعتراضات ہیں، ان پر جس قدر اعتراضات ہیں، ان کا جواب علامۃ المتاخرین محمد حسن سنبھلی نے تنسیق النظام بشرح مسند الامام میں دیدیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ عبدالکریم ابن المخارق بھی صحیح العقیدہ اور قابل بھروسہ ہیں۔ نیز عبدالکریم ابن المخارق کی روایات بخاری میں تعلیقاً موجود ہیں، جن سے ثابت ہوا کہ یہ بھی مقبول راوی ہیں متروک ہرگز نہیں ہیں بخاری کی تعلیقات کے بارے میں مخالفین امام اعظم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا درجہ موصول کے برابر ہے، نیز موطا امام مالک میں بھی ان کی روایات موجود ہیں، اور امام مالک کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ جن رواۃ کو وہ صحیح سمجھتے ہیں، ان ہی سے روایات لیتے ہیں (نووی مقدمہ مسلم) لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ بھی مستند اور قابل بھروسہ ہیں۔

تدریس وافتاء:

امام اعظم کے استاد اعظم حماد بن ابوسلیمان کا جب وصال ہوا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم کی مسند خالی ہوگئی وہ علم جو ابن مسعود سے چلتا ہوا، امام حماد تک پہنچا تھا، کوئی بھی اس علم کا وارث نظر نہیں آرہا تھا، اور اس خلا کا پر ہونا مشکل معلوم ہوتا تھا، مگر امام حماد کے شاگردوں،

دوستوں نیز شہر کے علماء کی نگاہیں بھی اس معاملے میں امام اعظم کی طرف اٹھیں، اور امام اعظم نے بڑے بڑے علماء کے کہنے پر مسند سنبھالی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ آپ کا درس اس شان سے ہونے لگا کہ دوسرے علماء کی درسگاہیں ماند پڑ گئیں، یہاں تک کہ بہت سے لوگ امام اعظم سے حسد کرنے لگے، مگر اس کے باوجود آپ کے علم کے معترف نظر آتے تھے، امام اعظم نے جب علم پھیلانا شروع کیا تو صرف علماء ہی نہیں پیدا کئے بلکہ عالم گر علماء پیدا کئے، اور اس کارنامے پر بجا طور پر صرف امام العلماء نہیں بلکہ امام الائمہ کہلانے کے حقدار ہیں، آپ نے علم محض پڑھایا نہیں بلکہ علم کو پڑھانا اور پھیلانا سکھایا اور سب سے عظیم الشان کارنامہ علم فقہ کو مدون فرمایا اور پہلی بار احادیث کو ابواب کے تحت درج کیا، اور ساری امت نے آپ کی یہ تقسیم قبول کی۔ اپنے بے گانے سب ہی آپ کی ایجاد کردہ ترتیب کو اپنی کتب میں درج کرنے لگے، دوست ہوں یا مخالفین، آج تک سب لوگ امام اعظم کی ایجاد کردہ ترتیب فقہ کے مطابق اپنے فتاوی اور کتب حدیث کو مدون کرتے ہیں۔

امام اعظم نے اپنے مسائل کو قرآن و حدیث سے ڈھونڈا، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ اور اس کے اصول وضوابط، نیز حدیث وتفسیر کے ضوابط وضع کئے اور ان کے مطابق مسائل کو بیان کیا اور فقہی مسائل کو قرآن و سنت کے مطابق حل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ نہ صرف آپ اس کوشش میں مکمل طریقہ سے کامیاب ہوئے، بلکہ اپنے شاگردوں میں بھی یہ ہی صلاحیتیں پیدا کیں، اور فقہ کے عنوان سے اسلامی قوانین کا ایسا مجموعہ تیار کیا، جس نے بعد میں آنے والوں کے لئے قرآن وسنت پر عمل کرنا آسان کر دیا، فقہ حنفی کا ایک ایک جزیہ اس بات پر شاہد ہے کہ امام اعظم نے فقہ کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھی، اور علی الترتیب اپنا ماٰخذ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع کو قرار دیا، اور یہی وہ ترتیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" میں بیان فرمایا، اور اسی ترتیب کو حضرت معاذ نے یمن جاتے وقت رسول اکرم ﷺ کے سامنے بیان کیا۔ (دارمی، ترمذی، ابوداؤد)

احناف کے لاکھوں مسائل کا ایک ایک جزیہ شاہد ہے کہ احناف کتاب اللہ اور سنت رسول تو بہت بعید ہے خبر واحد اور حدیث ضعیف کے مقابل بھی قیاس نہیں کرتے۔ اور حتی الامکان حدیث ضعیف پر بھی عمل کرتے ہیں، اور اگر دلائل میں ٹکراؤ ہو تو تطبیق دیتے ہیں۔ جسے اس بارے میں تحقیق کا شوق ہو تو وہ حنفی اصول فقہ کی کتب پڑھے۔ امام اعظم نے اسلامی دفعات کا جو مجموعہ تیار کیا اس میں تقریباً 11,83,000 مسائل کا حل لکھا گیا تھا۔ (عنایہ شرح ہدایہ)

جی ہاں 11,83,000 مسائل کا حل، اور تنہا یہ کام کر کے سب پر مسلط نہیں کیا، بلکہ اس کام کے لئے پہلے ٹیم تیار کی، جس میں ہر فن کے علماء کو شامل کیا، اور پھر یہ کام مکمل کیا، اور اس مجموعہ کو امام اعظم کی زندگی میں ہی شہرت حاصل ہوگئی، اور عدالتوں کے فیصلے ان دفعات کی روشنی میں ہونے لگے۔ (مناقب موفق مکی)

جب یہ مجموعہ مکمل ہوا اور امام اعظم نے ثابت کر دیا کہ فقہ، قرآن وسنت کے عین مطابق ہے، اور آپ کے استخراج کردہ تمام مسائل قرآن وحدیث کے مطابق درست ہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اگر میرا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو اس کو دیوار پر دے مارو۔ یعنی جب یہ یقین ہو گیا کہ میرا فتویٰ بفضل خدا اور بفضل رسول ﷺ درست ہے تب آپ نے یہ دعویٰ کیا، خالی خولی دعویٰ نہیں، بلکہ اس کو حقیقۃً ثابت کیا۔ آج لوگ نہ فقہ پڑھتے ہیں، نہ حدیث پڑھتے ہیں، نہ قرآن کریم کا ترجمہ سمجھتے ہیں، اور امام اعظم کی اس بات کو پکڑ کر اعتراضات کی بارش کر دیتے ہیں، ایسے لوگ بڑے جاہل ہیں، نہ قرآن سے واقف، نہ حدیث سے واقف، نہ اقوال صحابہ سے، اور نہ ہی فقہ حنفی سے۔ اور مزے کی بات ہے کہ یہ خود بھی اپنی کتابوں اور مسائل واقسام پر مشتمل دستاویز کی ترتیب، فقہ حنفی کی طرز پر رکھتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے، کہ وہ فقہ حنفی کی اہمیت اور امام اعظم کے مقام علمی کے معترف تو ہیں، اور یہ مخالفت محض حسد کی بنا پر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سمجھانا، بیل سے دودھ حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہم انہیں دور سے ہی سلام کرتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ (الفرقان)

فقہ حنفی کے ابتدائی مجموعات کے نام یہ ہیں، کتاب الاصل امام محمد، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، سیر صغیر، زیادات، فقہ اکبر، العالم والمتعلم، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، کتاب الحج، اور الکافی وغیرہ۔ نیز ان مسائل کی تحقیق و دلائل میں بھی کتب لکھی گئی ہیں۔ مگر ہماری سستی ہے کہ ہم لوگ حنفی کہلانے کے باوجود ان کتب کا مطالعہ نہیں کر پاتے بلکہ آج کے علماء کہلانے والوں کی اکثریت تو ان کے نام سے بھی ناواقف ہے۔ بحیثیت حنفی ہونے کے ہمارا فرض بنتا ہے، کہ ہم ان کتب کو پڑھیں اور فقہ حنفی پر اپنے اولین علماء کرام کی کاوشوں کو پھیلائیں۔

چونکہ زیر نظر مضمون کا تعلق امام اعظم کی علم کلام و عقائد پر لکھی گئی کتاب "فقہ اکبر" سے ہے لہٰذا امام اعظم کے فقہی اور محدثانہ مقام اور اس سے متعلق گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے اس سمت اپنا رخ موڑتے ہیں۔ یہ چند سطور جو فقہ سے متعلق لکھی گئی ہیں، صرف اس لئے کہ امام اعظم کا علمی کارنامہ بھی بیان کیا جائے اور علمی مقام و محنت بھی۔ اور جو شخص امام اعظم کے بارے میں بھرپور مطالعہ کرنا چاہتا ہے، اس کو چاہئے کہ امام اعظم کی حیات طیبہ پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کرے۔

بحث و مباحثہ:

ذیل میں چند واقعات ذکر کئے جارہے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ امام اعظم کے مدمقابل کوئی بھی، علم کا دعویٰ کرنے والا نہ ٹھہر سکا۔

رومی سے مناظرہ:

امام اعظم کا بچپن کا دور تھا، روم کے ایک بدمذہب نے کوفہ یا بغداد میں لوگوں سے کہا: اگر تمہارا دین سچا ہے تو میرے تین سوالوں کا جواب دو، خدا اس وقت کیا کر رہا ہے؟ خدا سے پہلے کون تھا؟ خدا کا رخ کدھر ہے؟ علماء ان سوالات کا جواب دینے سے عاجز آگئے، ایک مرتبہ کسی مجمع میں ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اس نے یہ سوالات دہرائے، امام اعظم نے

لوگوں سے کہا کہ مجھے آگے پہنچا دو۔ چونکہ سب لوگ اس بچہ کی عقل و دانش سے واقف تھے، لہٰذا امام اعظم کو اس کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس شخص نے کہا کہ تمہارے بڑے بڑے علماء میرے سوالات کا جواب نہ دے سکے تم کیا جواب دو گے؟ امام اعظم نے کہا کہ تمہیں اپنے جواب سے غرض ہونی چاہیئے جواب کوئی بھی دے۔ چنانچہ اس نے سوالات دہرائے، امام اعظم نیچے مجمع میں کھڑے تھے، فرمایا جو جواب دیتا ہے اس کا رتبہ زیادہ ہوتا ہے لہٰذا تم پہلے نیچے اترو اور مجھے اوپر چڑھنے دو، اور باری باری سوال کرو، تو میں اس کا جواب دوں گا، چنانچہ وہ نیچے اتر آیا، امام اعظم نے کہا اب ایک ایک کر کے سوال کرتے جاؤ اور ان کا جواب سنتے جاؤ، اس نے پہلا سوال دہرایا کہ خدا اس وقت کیا کر رہا ہے؟ امام اعظم نے کہا کہ خدا اس وقت یہ کر رہا ہے کہ تم کو نیچے اتار رہا اور مجھے اوپر چڑھا رہا ہے، مجمع اس طرز جواب پر حیران ہوا، اور تحسین کے نعرے بلند ہوئے۔ اور وہ شخص بھی حیران ہوا کہ واقعی سوال پر جواب تو مل گیا، پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ خدا سے پہلے کون ہے؟ امام اعظم نے پوچھا تمہیں گنتی آتی ہے کہا ہاں، فرمایا سناؤ اس نے گننا شروع کیا، ایک، دو، تین............ امام اعظم نے فرمایا ایک سے پہلے گنو؟ وہ بولا، ایک سے پہلے تو کچھ نہیں ہے۔ فرمایا خدا بھی ایک ہے اور اس سے پہلے بھی کوئی نہیں۔ مجمع نے دوبارہ نعرہ تحسین بلند کیا۔ اور تیسرا سوال کرنے پر زور دیا، اس نے تیسرا سوال کیا کہ خدا کا رخ کہاں ہے؟ امام صاحب نے ایک شمع منگوائی، اور اس کو روشن کیا، اور اس رومی سے پوچھا کہ اس شمع کا رخ کدھر ہے؟ وہ بولا کہ اس کا رخ ہر طرف ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا رخ بھی ہر طرف ہے۔ وہ رومی شرمندہ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔

(مناقب موفق مکی)

اس واقعہ سے جہاں تبحر علمی پر روشنی پڑتی ہے، وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ امام صاحب نے بچپن ہی سے تحصیل علم کیا ہے، ورنہ جو بچہ علم سے دور رہ وہ اس طرح کے جوابات نہیں دے سکتا۔

خوارج سے مناظرہ:

امام اعظم کی شہرت اور آپ کے مناظروں کی بازگشت اس قدر پھیل گئی، کہ بدمذہبوں کے بڑے بڑے رہنما، آپ سے بات کرتے ہوئے کتراتے تھے، اور آپ کی جان کے درپے رہتے تھے، اور بہانہ تلاش کرتے تھے کہ کوئی ایسی بات ملے جس سے ہم آپ کو مذہب بدلنے پر مجبور کریں یا ماردیں۔

ایک مرتبہ غالباً بصرہ میں جو کہ خارجیوں کا گڑھ تھا، چند خارجیوں نے آپ کو گھیر لیا خارجیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے سواسب کافر ومشرک ہیں وہ جس کو بھی اپنا ہم خیال بناتے اس سے کہتے کلمہ پڑھو اور کفر وشرک سے توبہ کرو۔ امام صاحب سے بھی خارجیوں نے کہا کہ کفر سے توبہ کرو اور کلمہ پڑھو۔ امام صاحب نے برملا کلمہ پڑھا اور کہا کہ میں ہر قسم کے کفر سے تائب ہوں، یعنی پہلے ہی توبہ کر چکا ہوں، خارجیوں کو اتنا علم نہ تھا، کہ وہ اس قسم کے جملوں کے معنی سمجھیں وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ امام صاحب نے بھی اس طرح کے جملے اس لئے کہے، کہ ہر مسلمان اس بات سے بیزار ہوتا ہے کہ کفر کرے، اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا رہتا ہے، بس یہی امام صاحب کا مقصد تھا، نیز یہ بھی کہ جس کفر کی دلدل میں خارجی پھنسے ہوئے ہیں، اس سے توبہ کرتا ہوں، خارجی چلے گئے اور اپنے بڑے شیطانوں سے کہنے لگے، کہ ہم نے آج ایک بڑے عالم کو بھی یہ ماننے پر مجبور کردیا، کہ وہ پہلے کافر تھا۔ اور سارا واقعہ بتایا، تو ان کے بڑے شیطان کہنے لگے، کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمہارے کفر سے بیزار ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر وہ خارجی طیش میں آگئے اور دوبارہ تلواریں سونت کر امام صاحب کے پاس گئے، اور کہا تمہارا مطلب یہ تھا کہ تم ہمیں کافر سمجھتے ہو اور ہمارے کفر سے توبہ کرتے ہو۔ امام صاحب نے پوچھا یہ بتاؤ یہ بات تم نے گمان سے کہی ہے یا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے کہ میرا وہ مطلب تھا جو تم بیان کررہے ہو؟ خارجی بولے کہ ہم نے یہ بات گمان سے ہی کہی ہے۔ خارجیوں کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور بدگمانی کا گناہ کبیرہ ہونا،

قرآن کریم میں سورۃ حجرات پارہ ۲۶ میں بیان کیا گیا ہے، پس امام صاحب نے ان کے مذہب کے مطابق ان کی پکڑ کی، اور کہا کہ تم نے گناہ کبیرہ کیا ہے لہٰذا تم تو کافر ہو گئے ہو، تو پہلے تم تو اپنے کفر سے توبہ کرو، وہ گھبرا گئے کہ واقعی ہم سے کفر ہو گیا، اب انہیں بھی اپنی جان چھڑانی تھی، کہنے لگے ہم کفر سے توبہ کرتے ہیں اے شیخ تم بھی کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے پھر سابقہ کلمات دہرائے کہ میں ہر قسم کے کفر سے تائب ہوں۔ اب اگر خارجی دوبارہ اعتراض کرتے تو پھنس جاتے لہٰذا انہوں نے جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

رافضی سے مناظرہ:

ایک مرتبہ رافضیوں کا بڑا عالم جس کو خود رافضی بھی شیطان کہتے تھے، امام اعظم سے کہنے لگا: حضور اکرم ﷺ کے بعد سب سے طاقتور کون ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور تمہارے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ تو وہ حیران ہوا، اور کہنے لگا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا تم کہتے ہو کہ خلافت حضرت علی کا حق تھا، اور حضرت ابوبکر صدیق نے چھین لیا۔ اور طاقت کے ذریعے حضرت علی کو دبا دیا۔ تو ظاہر ہے تمہارے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق زیادہ طاقتور ہوئے۔ وہ حیران ہو کر خاموش ہو گیا۔ ایک مرتبہ جبکہ امام صاحب حمام گئے ہوئے تھے یہ بھی وہاں پہنچ گیا اور کہا تمہارا استاد تو مر گیا اور ہمیں اس سے نجات ملی، امام صاحب نے کہا ہاں ہمارے استاد کا تو انتقال ہو گیا ہے مگر تمہارے استاد ابلیس کو تو قیامت تک مہلت ملی ہوئی ہے تو پھر لاجواب ہو گیا۔

ایک بد مذہب:

ایک مرتبہ دوران درس امام اعظم شرعی احکام بیان فرما رہے تھے، کہیں کہیں اقوال صحابہ سے بھی دلیل لیتے، ایک شخص نے کہا ہمیں قرآن کافی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کے قول کی ضرورت نہیں۔ امام اعظم نے اس کو احادیث طیبہ اور صحابہ کا مقام سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانا۔ تو آپ نے اس سے پوچھا اچھا اگر تم درست ہو تو یہ بتاؤ کہ بندر کا گوشت

حرام ہونے کے بارے میں تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اس شخص کو اس مضمون کی کوئی آیت نہ ملی تو وہ مبہوت ہو کر خاموش ہوگیا۔

بعض علمائے مدینہ سے گفتگو:

ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں مدینہ منورہ سے چند علماء آئے، اور کہا: ہم آپ سے قرات خلف امام کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا: آپ سب سے ایک ساتھ کس طرح گفتگو ہوسکتی ہے؟ آپ اپنے میں سے ایک شخص کو منتخب کرلیں۔ انہوں نے ایک عالم کو منتخب کرلیا۔ امام صاحب نے پوچھا یہ تم میں سب سے زیادہ علم والا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر یہ جیتیں تو آپ سب کی جیت اور اگر یہ ہاریں تو آپ سب کی ہار شمار ہوگی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا بس گفتگو ختم ہوگئی کیونکہ ہم امام بھی اسی لئے منتخب کرتے ہیں، کیونکہ حدیث مبارک موجود ہے کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہوگی۔ (مناقب مکی)

جہم بن صفوان سے گفتگو:

فرقہ جہمیہ کا بانی جہم بن صفوان ہے۔ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔ یعنی انسان خواہ کچھ کرے، بت پرستی کرے، گرجا میں جائے، یہودی بن جائے، اگر دل میں ایمان ہے، معرفت قلبی حاصل ہے، وہ مسلمان ہے، یعنی زبان سے اقرار، ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جبکہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک معرفت قلبی کے ساتھ ساتھ زبانی اقرار، اور ظاہری کیفیت بھی ایمان کے مطابق ہونی چاہئے۔ جہم بن صفوان امام اعظم کے پاس آیا اور کہا: ایمان کے بارے میں آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ فرمایا ابھی تک تو تمہارے ایمان کا حال معلوم نہیں۔ وہ بولا معلوم تو ہے مگر کچھ شک ہے کہ میں مسلمان ہوں یا نہیں۔ فرمایا، ایمان میں شک کرنا کفر ہے۔ وہ بولا، حکم تو بعد میں لگائیں پہلے میری بات سنیں۔ فرمایا کہو۔ وہ کہنے لگا، جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل ہے، مگر زبان سے اقرار نہیں وہ مومن

ہے یا کافر؟ فرمایا، جب تک زبان سے قرار نہ کرے کافر ہے۔ وہ بولا کیوں کافر ہے؟ اسے تو معرفت حاصل ہے۔ فرمایا، اگر تم قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہو، اور اسے حجت بھی سمجھتے ہو، تو قرآن کریم سے دلائل دوں، ورنہ دوسرے طریقے سے گفتگو کروں؟ جہم نے کہا میں قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرتا ہوں۔

اب امام اعظم نے فرمایا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "و اذا سمعوا الخ" (پارہ ۷، ع ۱)

ترجمہ: جب وہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو رسول کی جانب اتارا گیا، تو تم دیکھو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے حق پہچان لیا، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے بس تو ہمیں گواہوں میں شمار فرما، اور ہم ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ حق ہمارے پاس آچکا، اور ہم اس کی تمنا کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ رکھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے یہ کہنے کے سبب وہ باغات عطا فرمائے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اچھے کام کرنے والوں کا انعام ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عرفوا کے ساتھ یقولون (وہ کہتے ہیں) اور قالوا (انہوں نے کہا) لاکر یہ بیان فرمایا کہ ایمان کے لئے دل کی معرفت کے ساتھ ساتھ زبانی قرار کرنا بھی لازم ہے۔ اور ایمان، دل اور زبان دونوں سے ہی مقصود ہے۔ نیز ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قولوا آمنا باللہ" (کہو ہم اللہ پر ایمان لائے پ ۱ ع ۱۴) نیز ارشاد ہے: الزمهم كلمة التقوى کلمہ تقویٰ سے مراد یہاں کلمہ شہادت، یعنی توحید و رسالت کی گواہی ہے، اور گواہی زبان سے ہوتی ہے۔ نیز ایک اور مقام پہ ارشاد فرمایا: "هدوا الى الطيب من القول" یہاں پاکیزہ بات سے مراد، توحید و رسالت کا اقرار ہے۔ نیز فرمایا: اليه يصعد الكلم الطيب پاکیزہ کلمات اس کی طرف چڑھتے ہیں، یہاں بھی کلمات کا ذکر ہے جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں، نیز فرمایا "يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت" سے زبان کا اقرار ہی مراد ہے، یہ تو تھے قرآنی دلائل۔ حضور اکرم

ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا: لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے، اس حدیث میں لا الہ الا اللہ کہنے پر فلاح کو موقوف قرار دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس مضمون کی کئی احادیث ہیں۔ نیز قرآن و حدیث کے علاوہ انسانی عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اگر ایمان صرف دل کی معرفت کا نام ہوتا، اور اقرار کی ضرورت نہ ہوتی تو ہر منکر بھی معرفت قلبی کے بعد مومن قرار پاتا، بلکہ ابلیس کا شمار بھی مومنین میں ہوتا، کیوں کہ اس کو بھی یہ معرفت حاصل ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہی خالق و مالک اور زندگی دینے والا اور موت دینے والا ہے۔ بلکہ تمام کافر، مومن قرار پاتے، کیونکہ قرآن میں کفار کی معرفت قلبی کا بھی ذکر ہے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ بھی معرفت قلبی کی بنا پر مومنین میں شمار ہوتے۔ کیونکہ ان کی معرفت الٰہی، اور معرفت صفات رسول کا بیان، قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور امام اعظم نے اس کے بعد متعدد آیات و احادیث پیش فرمائیں اور جہم بن صفوان مبہوت ہو کر سنتا رہا، اور بالآخر اٹھ کر چلا گیا، حق تسلیم نہیں کیا۔ اس واقعے سے نہ صرف امام اعظم کی تبحر علمی ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ امام اعظم قیاس سے نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرتے تھے، اور اس قدر کثرت سے دلائل دیتے کہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حق امام اعظم ہی کی طرف ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو:

امام اعظم کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم اور فہم و فراست عطا فرمائی تھی کہ جب آپ کسی سے گفتگو کرتے تھے۔ تو آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ سامنے والا کیا جواب دے گا، اور اگر ایسے جواب دے تو اس کو کس طرح جواب دینا ہے، اور اگر یوں جواب دے تو کس طرح گرفت کرنی ہے۔

حضرت قتادہ جلیل القدر تابعی ہیں بڑے بڑے صحابہ کرام کے شاگرد، اپنے علم پر خود بھی نازاں، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات دعویٰ بھی کرتے تھے کہ جو مجھ سے پوچھنا چاہو پوچھو اور آپ اپنے دعویٰ میں ایک حد تک برحق بھی تھے، مگر قانون الٰہی ہے، "فوق کل ذی

علیم" (ہر علم والے سے بڑا علم والا موجود ہے) امام اعظم بھی ان کے شاگرد ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت قتادہ کوفہ تشریف لائے، مجمع جمع ہو گیا، انہوں نے اعلان کیا کہ حلال و حرام کے متعلق جو بھی مجھ سے پوچھے، میں اس کا جواب دوں گا۔

امام اعظم نے سوال کیا، کہ مفقود الخبر کی بیوی نے اپنے شوہر کی موت کی اطلاع ملنے پر دوسری شادی کرلی، پھر اولاد بھی ہوئی، اچانک پہلا شوہر واپس آ گیا، دونوں نے اس بچہ کو اپنی اولاد ماننے سے انکار کر دیا، گویا عورت پر زنا کی تہمت لگ گئی، تو حد قذف دونوں میں سے کس کو ملے گی، اور کونسا شوہر اس کے ساتھ تعاون کرے گا؟

امام اعظم نے اپنے ساتھیوں سے کہا، اگر حضرت اپنی رائے سے جواب دیں گے، تو غلطی کریں گے، اور حدیث سے جواب دیں گے تو جھوٹ ہوگا، کیونکہ اس بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ قتادہ کچھ دیر سوچتے رہے، پھر کہا کیا ایسا واقعہ پیش آچکا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے جو مسائل پیش نہیں آئے وہ کیوں پوچھتے ہو؟ امام اعظم نے کہا علماء کو پہلے سے آنے والے مسائل کے لئے تیار رہنا چاہیے، تاکہ اس کا حل بروقت مل سکے۔ قتادہ نے کہا کہ اس کو چھوڑو، تفسیر سے کچھ بھی پوچھ سکتے ہو۔

امام اعظم نے پوچھا عندہ علم من الکتاب (جس کے پاس کتاب کا علم تھا) (سورۃ نمل پارہ ۱۹) میں کون سا شخص مراد ہے؟ کہا آصف بن برخیا، سلیمان علیہ السلام کے وزیر، ان کے پاس اسم اعظم کا علم تھا، امام صاحب نے پوچھا کیا سلیمان علیہ السلام اسم اعظم نہیں جانتے تھے، کہا نہیں۔ امام صاحب نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کے امتیوں میں ان سے بڑے عالم موجود ہوں؟ اس پر قتادہ ناراض ہوئے، اور کہا میں تفسیر میں سے کچھ بیان نہیں کرونگا البتہ عقائد میں سے جو چاہو پوچھو۔

امام صاحب نے پوچھا کیا آپ مومن ہیں؟ قتادہ نے کہا امید ہے کہ میں مومن ہوں۔ امام صاحب نے کہا؟ ایسا کیوں کہا یعنی مومن ہونے کا یقین کیوں نہیں، کہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں میں نے یہ کہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اور وہ ذات جس سے مجھے

امید ہے کہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمائے گا" حالانکہ نبیوں کی مغفرت یقینی ہے، مگر پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امید کا لفظ استعمال کیا۔

امام اعظم نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب ایمان کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا میں یقیناً ایمان رکھتا ہوں مگر دل کو اطمینان دینا چاہتا ہوں (پ ع ۳) تو آپ نے اس طرح ان کی پیروی کیوں نہ کی؟ اس قدر باتیں ہونے کے بعد چونکہ حضرت قتادہ ہر سوال میں لاجواب ہو گئے، تو ناراضگی سے اٹھ کر کھڑے ہو کر چلے گئے۔

ممکن ہے کہ کوئی اس واقعہ میں یہ کہے کہ امام صاحب کو اس طرح اپنے استاد سے سوال و جواب اور جرح نہیں کرنی چاہئے تھی، یہ بے ادبی ہے، تو عرض ہے کہ بے ادبی اس وقت ہوتی جب ابتداء امام صاحب کی جانب سے ہوتی، لیکن جب استاد خود ہی اس بات کی عام اجازت دے اور اعلان عام استاد کی جانب سے ہو، تو یہ بے ادبی یا گستاخی نہیں بلکہ ایسے معاملات میں گنجائش ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی اور کثیر واقعات امام اعظم کی فراست کے موجود ہیں جو دیکھنا چاہے مناقب امام پر لکھی گئی کتب ملاحظہ کرے۔

انتقال:

خلیفہ منصور نے آپ کے علمی مقام اور کچھ سازشوں کے تحت، آپکو عہدہ قضاء کے لئے مجبور کیا مگر آپ راضی نہ ہوئے، اس نے آپ کو جیل میں ڈالدیا۔ امام صاحب معمولی آدمی تو تھے نہیں، لہذا اس واقعہ کی شہرت ہوگئی، لوگ جیل ہی میں آپ سے ملنے اور درس کے لئے آنے لگے، منصور کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں میرا تختہ نہ الٹ جائے، اس نے دودھ کے پیالے میں زہر ملا کر امام صاحب کو دھوکہ سے پلوادیا، پینے کے بعد آپ کو علم ہوگیا کہ اس میں زہر ہے آپ سجدہ میں چلے گئے، اور اسی حالت میں آپ کا انتقال ہوگیا، یہ ساری کاروائی دس پندرہ دن کے اندر ہوگئی، اس وجہ سے آپ کے معتقدین اس بارے میں کچھ نہیں کر سکے۔ انتقال کی خبر بجلی

کی طرح تیزی سے پھیلی، جس کو اطلاع ملی بھاگا بھاگا چلا آیا۔ ایک جمِ غفیر جمع ہوگیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کے جنازہ میں پچاس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔ آپ کی نماز جنازہ 6 مرتبہ ادا کی گئی، پچاس ہزار افراد کے ہمراہ تو قاضی حسن بن عمارہ نے نماز پڑھائی۔ اور باقی مرتبہ میں کتنی تعداد تھی اس کی تفصیل کہیں نہیں ملی۔ روایت ہے کہ آپ کے وصال کے بعد تین رات تک کسی کے یہ کہنے کی آوازیں آتی رہیں کہ علم فقہ چلا گیا اور تمہارے لئے کوئی فقیہہ باقی نہیں رہا، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کرو نعمان چلے گئے اب کون راتوں کو جاگ کر عبادت کرے گا، جب سب لوگ سو جاتے ہیں۔ یہ کہنے والے جنات تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنات بھی امام اعظم کے شاگرد تھے۔ آپ کے بیٹے حماد نے آخر میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی، آپ کو خیزران کے قبرستان میں دفن کیا گیا کیونکہ آپ کے خیال میں یہ زمین مغصوبہ نہیں تھی اس لئے یہاں دفن کرنے کی آپ نے وصیت کی۔ آپکے معتقدین نے مزار کے ساتھ مدرسہ اور مسجد کی تعمیر کی۔ جب اسماعیل پادشا بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس مزار، مسجد اور مدرسہ کو تباہ و برباد کر کے اس کی جگہ کچرا ڈالنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان اشرار کو بہت جلد بغداد سے نکال باہر کیا۔ ۹۴۷ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے دوبارہ مزار پر گنبد تعمیر کروایا، اور مسجد و مدرسہ کو جدید تعمیر سے آراستہ کیا، تب سے اب تک مزار شریف شان و شوکت سے موجود ہے۔ چودھویں صدی کے دوسرے عشرے میں عراقی صدر صدام حسین نے گنبد نئے ڈیزائن کا بنوایا جس کی فوٹو اس فقیر اور والد گرامی مدظلہ العالی کے پاس موجود ہے۔

تصانیف وغیرہ:

امام صاحب کی کئی تصانیف ہیں جن میں کتاب الآثار، العالم والمتعلم، الفقہ الاکبر، الفقہ الابسط، کتاب الاوسط، کتاب الوصیہ اور کتاب المقصود فی الصرف مشہور ہیں، مگر جس طرح جہلاء نے امام صاحب پر طعنہ زنی کی ہے اسی طرح ان کی کتب کا بھی انکار کیا، حالانکہ یہ انکار

کرنا پایہ اعتبار سے غلط ہے۔اس انکار کے فقیر کے نزدیک تین بڑے اسباب ہیں:

1- امام صاحب کی تصانیف کا معتزلہ نے انکار کیا ہے، اور یہ انکار ان ہی کی جانب سے اڑایا گیا ہے، کیونکہ امام صاحب نے اپنی کتب میں بدمذہبوں کا بالخصوص معتزلہ کا بھرپور رد کیا ہے، انہوں نے سوچا سرے سے کتب کا ہی انکار کردو، نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری، پس ان کے انکار کا اعتبار نہیں۔

2-امام اعظم سے حسد

حاسدین نے چاہا کہ امام اعظم کو جاہل ثابت کیا جائے، اس لئے انہوں نے امام اعظم کے علم پر اعتراض کیا اور کتب کا بھی انکار کیا، اس لئے ان کے انکار کا اعتبار نہیں۔

3-طرزِ تالیف سے ناواقفیت

عام طور پر تالیف یا تصنیف لوگ اسے ہی قرار دیتے ہیں جو مولف یا مصنف نے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوں، حالانکہ یہ خیال درست نہیں، کیونکہ اگر کسی کی تقاریر کو کوئی دوسرا لکھے، یا درس کو کوئی شخص سن کر لکھ لے، تو یہ اسی مقرر اور مدرس کی ہی تالیف کہلائے گی۔ پھر دور سابق میں بھی تصنیف کا وہ طریقہ نہ تھا جو آج ہے، بلکہ اس دور میں محدثین اپنی تحقیقات املاء کراتے تھے، ظاہر ہے املاء کرانے والا شخص جو کچھ لکھوائے گا وہ اسی کی تالیف یا تصنیف کہلائے گی، اور اگر اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے تو بہت سی کتب کا انتساب ان کے مصنفین یا مولفین کی طرف غلط قرار پائے گا، مثلاً موطا، صحیفہ ھمام بن منبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند شافعی، مسند امام احمد وغیرھا۔ کیونکہ ان سب محدثین نے اپنی اپنی کتب کو لکھوایا ہے۔ یہ بولتے جاتے تھے اور شاگرد لکھتے جاتے تھے، بلکہ فتح الباری شرح بخاری کو بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے نہیں بلکہ ان کے شاگردوں نے لکھا، اور ابن حجر عسقلانی نے لکھوایا ہے۔ بلکہ دور کیوں جایئے، امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی ترجمہ قرآن اسی انداز میں قرطاس (کاغذ) پر منتقل کیا ہے، آپ بولتے جاتے تھے اور آپ کے تربیت یافتہ عالم

دین صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ لکھتے جاتے۔

بلکہ خود بخاری کی جامع کا انتساب ان کی طرف غلط قرار پائے گا، کیونکہ بخاری کا موجودہ نسخہ، فربری کا تحریر کردہ ہے جو بخاری کے شاگرد ہیں، اور اس کی ترتیب ان کے بعض تلامذہ کی مرتب کردہ ہے، جیسا کہ امام المحدثین احمد علی سہارنپوری نے اپنے مقدمہ میں بیان فرمایا۔ لہٰذا امام صاحب نے بھی جب اسی طرح اپنی کتب لکھوائیں، تو ان کا انتساب ان کی طرف بالکل درست ہے۔ مقام حیرت ہے کہ شاہ ولی اللہ اور شیخ المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کا انکار کیسے کر دیا!!! بہر حال امام صاحب کی کتب کا حال یقیناً وہ علماء بہتر جانتے ہیں جو امام صاحب کے شاگرد ہیں، یا امام صاحب کے زمانہ سے قریب ہیں، اور ان علماء کی آراء کے مقابلے میں منکرین کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ ذیل میں چند علماء و محدثین کے اقوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے امام اعظم ابوحنیفہ کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا وہ علم میں کمال تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی فقیہہ بن سکتا ہے۔ (الخیرات الحسان) اگر امام صاحب کی کتب نہیں تھیں تو امام شافعی نے یہ بات کیسے کہہ دی؟ امام محمد کہتے ہیں کہ شافعی نے مجھ سے امام اعظم کی کتاب الاوسط مانگی اور ایک دن میں اس کو یاد کر لیا۔ (مرقاۃ المفاتیح)

سفیان ثوری کے پاس ایک شخص نے امام اعظم کی "کتاب الرھن" دیکھی تو پوچھا کیا آپ بھی ان کی کتب پڑھتے ہیں؟ کہا ہاں، کاش میرے پاس امام اعظم کی تمام کتب ہوتیں تو سب کو پڑھتا، پھر کوئی مسئلہ مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا، مگر تم لوگ حق بات کہاں سنتے ہو۔ سفیان ثوری نے کتاب الرھن خود اپنے لئے نقل کی تھی۔ (الخیرات الحسان)

سفیان ثوری نے امام اعظم سے احادیث روایت کی ہیں اور فقہ حنفی کا درس علی بن مسہر سے لیا جو امام اعظم کے شاگرد ہیں، اور اپنی جامع کی ترتیب میں ان سے کافی مدد لی۔ خود علی بن مسہر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ، بعد نماز عشاء ثوری میرے پاس آئے، اور امام اعظم کی کتب عاریۃً لے گئے۔ (مناقب کردری)

ظاہر ہے امام صاحب کی کتب کا وجود تھا، جب ہی تو لے گئے۔!!

یزید بن ہارون محدث کہتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی کتب پڑھا کرو، کیونکہ میں نے کسی فقیہہ کو نہیں دیکھا جوان کی کتب کو ناپسند کرتا ہو۔ (الخیرات الحسان)

امام مالک بھی امام اعظم کی کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ (تذکرۃ المحدثین)

علامہ بیاضی نے اشارات المرام میں امام اعظم کی تصانیف الفقہ الاکبر، الرسالہ، الفقہ الابسط، کتاب العالم والمتعلم، الوصیہ بیان کیں اور کہا کہ یہ سب کتب اس زمانہ کے رواج کے مطابق امام صاحب نے املاء کرائیں تھیں، علامہ طاش کبری زادہ نے کہا کہ امام اعظم نے علم کلام پر قلم اٹھایا، اور الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم جیسی کتب لکھیں۔

علامہ بزازی لکھتے ہیں کہ میں نے علامہ شمس الدین کے ہاتھ سے لکھی ہوئی الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم دیکھیں، اس پر انہوں نے لکھا تھا کہ یہ امام اعظم کی تصانیف ہیں۔

صدر الاسلام ابو الیسر بزدوی نے اصول الدین میں کہا ہے کہ امام صاحب نے علم کلام میں کچھ کتب لکھیں ان میں سے بعض ہمیں ملی ہیں۔

(مناقب کردری، اصول الدین، امام اعظم اور علم حدیث)

دور حاضر کے محقق علامہ زاہد کوثری لکھتے ہیں کہ ان کتب کو نصیر بن یحییٰ اور محمد بن مقاتل سے ابو منصور ماتریدی نے روایت کیا۔ نیز لکھتے ہیں کہ فقہ اکبر کو علی بن احمد فارس نے نصیر بن یحییٰ سے انہوں نے ابو مقاتل سے انہوں نے عصام بن یوسف سے انہوں نے حماد بن امام اعظم سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا۔

اور فقہ ابسط کو امام اعظم سے ابو مطیع بلخی نے ان سے نصیر بن یحییٰ نے ان سے، ابوزکریا نے روایت کیا۔

کسی کتاب کا انتساب مصنف کی جانب اسی طرح کی روایت و اسناد سے ہی مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے اس فقیر نے ان کتب کا سلسلہ سند بھی لکھ دیا ہے تاکہ جو لوگ امام اعظم کی کتب کا انکار کرتے ہیں ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ یہ تمام اسناد، قاضی ابوزید دبوسی، ابوسہل

غزالی، ابوعلی دقاق، ابومنصور ماتریدی، فقیہہ ابواللیث سمرقندی نے اپنی اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ (حدائق حنفیہ)

فقہ اکبر کے ایک نسخہ پر عبارت یوں تحریر ہے۔ترجمہ: ہمیں اس کتاب کی خبر دی شیخ امام زاہد استاد سیف الحق والدین قاطع بدعت وضلالت، ابوالمعین میمون بن معتمد مکحولی نسفی نے، اللہ تعالیٰ ان کے نور کو مزید روشن کرے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کے بارے میں بتایا شیخ امام ابوعبداللہ حسین بن ابوالحسن کاشغری ملقب بہ فضل نے اور کہا ہمیں بتایا ابومالک نصر ختلی نے اور کہا ہم سے یہ کتاب بیان کی ابوالحسن علی بن حسین محمد غزالی نے اور کہا ہم سے بیان کیا نصیر بن یحییٰ فقیہہ نے الخ (نسخہ موجودہ در بعض ممالک عربیہ) ان تمام حوالوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ امام اعظم کی تصانیف نہ صرف ثابت، بلکہ مشہور ہیں۔

فقہ اکبر:

فقہ اکبر کے بارے میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ امام اعظم کی تصنیف ہے، امام اعظم نے بھی یہ کتاب اس زمانے کے مزاج کے مطابق املاء کروائی اور شاگرد، سن کر لکھتے جاتے تھے، ظاہر ہے مجلس میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں کسی نے صحیح سنا اور کوئی صحیح سن نہیں سکا، کسی نے غلطی کی اصلاح کر لی اور کوئی نہ کر سکا، اس طرح مختلف نسخوں میں فرق ظاہر ہوا، اور بعض بدمذہبوں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے کلمات اس میں داخل کر دیئے جو امام اعظم سے صادر ہونا بہت بعید ہے۔ مگر جو کچھ صحیح باتیں ہیں، ان کی نسبت امام اعظم کی طرف یقینی اور راست ہے، جس کے ثبوت میں اقوال علماء پیچھے گزرے۔

مگر اس کے باوجود بعض لوگ فقہ اکبر کی نسبت امام اعظم کی طرف کرنے سے رکتے ہیں بلکہ سرے سے اس کو امام صاحب کی کتاب ماننے سے انکار ہی کر دیتے ہیں، اور انکار کرنے والوں میں اکثر لوگ بدمذہب ہیں۔ اور بعض لوگ لاعلمی کی بناء پر ان کی بولی بولنے لگتے ہیں۔ سب سے پہلے معتزلہ نے اس کتاب کو امام اعظم کی کتاب ماننے سے انکار

کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی تصانیف میں اس گمراہ فرقہ کا بھر پور رد کیا ہے، اور بالخصوص خلق قرآن کے مسئلہ کی تردید فقہ اکبر میں کی ہے، پھر کیا تھا وہ امام اعظم کے دشمن ہو گئے اور آج کے غیر مقلد کی طرح امام اعظم کو جاہل ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کرنے لگے مگر اس میں سخت ناکام ہوئے۔

"فقہ اکبر" کے امام صاحب کی تصانیف میں سے ہونے کا ایک اور ثبوت یا دلیل یہ بھی ہے، کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے خطبہ فتاوی رضویہ میں جب کتب فقہ کے نام بیان کئے تو فقہ اکبر کا نام سب سے پہلے بیان کیا، جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اعلحضرت فقہ اکبر کو علماء حنفیہ کی تصانیف میں سے مانتے ہیں۔ تو یقیناً وہ اس کتاب کو امام اعظم کی ہی کتاب تسلیم کرتے ہونگے کیونکہ کسی اور عالم نے اس نام سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

فقہ اکبر پر ایک اعتراض یہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں بعض اصطلاحات مثلاً بالکیف، بالعرض، بالذات وغیرھا الفاظ کی اصطلاحات امام اعظم کے دور میں نہ تھی، یہ سب اصطلاحات بعد کی ہیں تو امام صاحب نے ان کو کیسے بیان کیا؟ لہٰذا ان اصطلاحات کی موجودگی یہ بتاتی ہے کہ یہ امام اعظم کی کتاب نہیں ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اسلامی سرحدیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اتنی وسیع ہوئیں کہ ایک جانب فارس اور دوسری جانب روم پر غالب ہوگئیں۔ پس ظاہر ہے کہ امام اعظم کے دور تک تقریباً پچاس سال کا عرصہ گزر گیا اور اس دوران دونوں طرف سے غیر مسلم علماء اسلامی سرحدوں میں آتے جاتے رہے اور مناظرے کرتے رہے تو ان اصطلاحات کے رائج ہونے میں ایسی صورتحال میں کوئی رکاوٹ نہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ عوام میں یہ اصطلاحات عام نہ ہوں، عوام میں یہ اصطلاحات ہارون اور مامون کے دور میں عام ہوئیں، مگر علماء اور وہ اشخاص، جو، ان غیر مسلم علماء سے مناظرہ کرتے رہے ہوں، وہ ان اصطلاحات سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں، اور جب واقف ہو سکتے ہیں، تو ان اصطلاحات کو اپنی کتب میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس میں کونسی رکاوٹ ہے؟ مذکورہ اعتراض تو ایسے شخص سے صادر ہونا معلوم ہوتا ہے،

جو خود علم کلام کے احوال سے بے خبر ہے۔لہٰذا اس اعتراض کی کوئی حقیقیت نہیں۔

ایک اور اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف ہے تو صاحبین نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ نیز اس کی شروحات علماء متقدمین نے کیوں نہیں لکھیں؟

جواباً عرض ہے کہ صاحبین کے اس کتاب کے ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ امام اعظم کی کتاب نہیں، ہاں اگر صاحبین سے اس بارے میں کوئی انکار مروی ہوتا تو اس کا اعتبار ہو سکتا تھا، اور اس اعتراض کی حیثیت ان اسناد کے سامنے ختم ہو جاتی ہے، جو اس فقیر نے فقہ اکبر کی روایات کے سلسلے میں گذشتہ صفحات میں بیان کی ہیں۔جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ امام اعظم کے شاگردوں نے یہ کتاب روایت کی اور اس کی روایت کو آگے بڑھا، یا تو صاحبین نے ذکر کیا ہو یا نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اور پھر بھی اگر کوئی اس اعتراض پر جما رہے تو اس کے لئے عرض ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں اگر اہل بیت میں سے کسی کی روایت نقل نہیں کی، تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ اہل بیت اطہار کو احادیث کو علم نہیں؟ ہرگز نہیں۔جب یہاں یہ معاملہ ہے تو وہاں بھی یہی معاملہ ماننا پڑے گا۔

مزید ایک اور سنگین اعتراض جو"فقہ اکبر" پر کیا جاتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ اس میں رسول اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں یہ کلمات ہیں کہ ان کا خاتمہ (معاذ اللہ) کفر پر ہوا۔"والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر (معاذ اللہ)" اور اس طرح کے کلمات امام صاحب سے صادر ہونا بعید ہے، لہٰذا یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

جواباً عرض ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان سے یہ بہت بعید ہے، کہ وہ اس طرح کے کلمات بیان کریں، اصل بات یہ ہے کہ دوسری کتب کی طرح امام اعظم نے اس کتاب کو بھی املاء کر دیا تھا، جس کے بارے میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔نسخوں کے اختلاف سے بدمذہبوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں کہیں ایسے الفاظ داخل کر دیئے، جن کا سرے سے کوئی محل نظر نہیں آتا، مثلاً بعض نسخوں میں یہ بھی تحریر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال ایمان پر ہوا، یہ صحیح ہے کہ ہر نبی کا وصال ہو یا پیدائش، بلکہ پیدائش سے پہلے کا دور بھی ایمان پر ہوتا ہے، مگر اس طرح

ئی بات بیان کرنا ایسے ہی ہے، جیسے کوئی پروفیسر سائنس کے طالب علم کو یہ سکھائے کہ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات تو وہ طالب علم پہلے ہی جانتا ہے تو ضرور حیران ہوگا، کہ مجھے یہ یوں سکھایا جارہا ہے۔ بالکل اسی طرح جب نبی کے وصال کے بارے میں کوئی شک، بلکہ شک کا تصور ہی نہیں، تو بے فائدہ جملہ یہاں کہاں سے آیا؟ خود اس کتاب کے عظیم شارح ملا علی قاری بھی اس جملہ کے بارے میں تشویش میں مبتلا نظر آتے ہیں، اور اس بات کو تسلیم کرتے نظر آتے ہیں کہ یہ جملہ کاتبین کی غلطی سے اس کتاب میں شامل ہوا ہے، ورنہ نبی کے بارے میں تو یہ جملہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، جس ذات سے ساری کائنات منور ہو، اس ہستی کا مقام تو بہت بلند ہے ان کے بارے میں یہ معمولی جملے کہنے کے بجائے ان کی شان کے لائق جملے استعمال ہونے چاہئیں۔

نیز "فقہ اکبر" کے بعض نسخوں میں والدین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ کلمات ہیں اور بعض میں نہیں ہیں، جن میں ہیں ان میں بھی اختلاف ہے بعض میں ہے ماتا علی الکفر (معاذ اللہ) اور بعض میں ہے ماتا علی الفطرۃ اور بعض میں ہے ماماتا علی الکفر یعنی یہاں مانافیہ کی وجہ سے ما کی تکرار ہے، دنیائے اسلام کی عظیم علمی روحانی شخصیت محدث الحرمین الشریفین سید محمد بن علوی مالکی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، ذخائر محمدیہ میں اور مفتی محمد خان صاحب اپنی کتاب "ایمان والدین مصطفیٰ" میں ان کلمات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کاتب نے یہاں یہ سمجھا ہو کہ دوسرا "ما" زائد ہے تو ایک ہی "ما" لکھا ہو، اور اس سلسلہ میں مدینہ منورہ کی شیخ الاسلام لائبریری کے حوالے سے ایک نسخے میں ماتا علی الفطرۃ کے الفاظ ہونا بھی بیان ہوئے ہیں علامہ کوثری بیان کرتے ہیں کہ غالباً اس نسخہ پر ابراہیم کورانی کی سند بھی موجود ہے۔

اس فقیر کا خیال ہے کہ نسخہ کے حوالے سے جو اختلافات ہیں وہ بدمذہبوں کی حرکتیں ہیں امام اعظم سے نہ تو ایسے الفاظ منقول ہیں اور نہ آپ نے اس بارے میں کوئی کلام فرمایا، اور نہ ہی ملا علی قاری نے اس بارے میں کلام کیا، ملا علی قاری کی شرح "فقہ اکبر" میں بھی

تحریف کی گئی ہے، اور تلاش و جستجو سے معلوم ہوا کہ یہ اختلافات ان نسخوں میں ہیں جو بلاد ہند میں طبع ہوئے۔ فقیر کے سامنے اس کے تین نسخے ہیں۔ ہند میں "فقہ اکبر شرح ملا علی قاری کے ساتھ چھپی ہے، اس میں یہ الفاظ اور اس پر ملا علی قاری کی توضیح بھی موجود ہے، مگر جو نسخہ مصر سے چھپا ہے اس میں نہ تو متن میں والدین کریمین کے بارے میں کوئی الفاظ ہیں اور نہ ہی ملا علی قاری کے توضیحی کلمات اس میں ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ہند میں طبع ہونے والی فقہ اکبر اور شرح فقہ اکبر میں ہی تحریفات ہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ہند کے ایک مطبوعہ نسخہ میں ایک مقام پر محشی بھی یہ کہنے پر مجبور ہے، کہ متن اور شرح کے ان کلمات کا اپنے ماقبل سے کوئی رابطہ معلوم نہیں ہوتا (صفحہ نمبر ۶۴) تقریباً ۶ صفحات کے قریب مواد کا تعلق ماقبل اور مابعد سے بے ربط ہے، (صفحہ ۶۱) کے آخر میں عبارت چل رہی ہے، اگلے صفحے پر اس سے متعلق مسئلہ کا نام و نشان تک نہیں، بلکہ اس کا تعلق چار صفحات بعد والے مواد سے جڑتا ہے، یعنی مبتدا چار صفحات پہلے، اور خبر چار صفحات کے بعد صفحہ ۶۶ پر ہے، اور درمیان کلام کا اپنے ماقبل اور مابعد سے کوئی رابطہ نہیں، ظاہر ہے کہ اس طرح کا کلام عالم جلیل سے صادر نہیں ہو سکتا، یقیناً یہ تحریف مبین ہے، کیونکہ جب اس کلام کا موازنہ مصری نسخہ سے کیا، تو معلوم ہوا کہ ان چار بے ربط صفحات کا مضمون مصری نسخہ میں نہیں ہے، اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔

فقہ اکبر اور اس کی شرح کا تیسرا نسخہ جو فقیر کے سامنے ہے، وہ بھی مصری ہے مگر وہ شرح ملا علی قاری کی نہیں ہے بلکہ علامہ احمد بن مغنیساوی حنفی کی ہے اور بہت مختصر ہے، اور اس کے مصنف کا ۱۰۹۰ھ قریب انتقال ہوا ہے، پاکستان میں یہ شرح اور سابقہ سطور میں مذکورہ مصری شرح ملا علی قاری کا عکس، قدیمی کتب خانہ نے طبع کیا ہے، اس میں حضور اکرم ﷺ کے والدین کریمین سے متعلق کوئی جملہ نہیں، بلکہ مغنیساوی کی شرح میں تو ابو طالب کے متعلق بھی وہ جملے نہیں ہیں جو ملا علی قاری کی شرح میں ہیں، تو ان تمام حوالوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے والدین کریمین سے متعلق جملے، خواہ ان میں کفر

کے الفاظ ہوں یا فطرۃ کے الفاظ ہوں، امام اعظم کے نہیں، اور یونہی ملا علی قاری کی شرح میں بھی اسپر تشریحی نوٹ ملا علی قاری کے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ تحریف مبین ہے، اور امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا دامن، ان توہین آمیز کلمات سے پاک ہے۔ واللہ اعلم۔

ان ہی الفاظ کی بنا پر بعض لوگ امام اعظم کا والدین کریمین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ مذہب بیان کرتے ہیں، کہ معاذ اللہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، بلکہ کفر پر ہوا، اور یہ بہتان عظیم ہے ہم نے گذشتہ سطور میں ثابت کر دیا کہ یہ تمام جملے بد مذہبوں کی جانب سے تحریف کر کے شامل کئے گئے ہیں، اور امام اعظم کا دامن ان کلمات سے پاک ہے اور آپ سے اس بارے میں نفی یا اثبات کا کوئی کلام منقول نہیں، واللہ ورسولہ اعلم۔ اور ان ہی کلمات کی بنا پر بعض لوگ ملا علی قاری کا بھی یہ ہی مذہب بیان کرتے ہیں، مگر ہم نے حقیقت بیان کر دی ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ملا علی قاری کا بھی والدین کریمین مصطفی کے بارے میں کفر پر خاتمہ کا مذہب نہیں تھا۔

باقی یہ رہا کہ تحریف کیسے ہوگئی کیا ائمہ نے اس کی حفاظت نہ کی تھی؟ تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے، اس زمانے میں پریس نہیں ہوتے تھے، جو لوگ اپنے لئے کتاب لینا چاہتے، یا تو خود لکھتے یا کاتب سے لکھواتے، کاتب بدعقیدہ ہوتا تو وہ اس قسم کی شرارت کرتا تھا، اور تحریف کے معاملات بہت سے بزرگوں کی کتب کے ساتھ ہوئے ہیں، جن کے بارے میں اعلحضرت رضی اللہ عنہ نے فتاوی رضویہ میں کلام فرمایا، اور بالخصوص فتوحات مکیہ کی تحریفات کے معاملے تو بہت مشہور ہیں، بلکہ دور کیوں جائیے شاہ ولی اللہ کی کتب میں تحریفات بلکہ آپ کے نام سے جعلی کتاب گھڑ لینا تو زیادہ دور کی بات نہیں۔ بلکہ فخر بلگرام قطب وقت سراج السالکین حضرت علامہ مولانا سید میر عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سبع سنابل میں ایک مقام پر تحریف کا شبہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان بزرگوں کے ادوار، تو وہ ادوار ہیں کہ ان کی اولاد اور ان کے شاگرد بھی دین کے سورج ہیں۔ نیز بعد کے ادوار میں کتب کی حفاظت کا بھی بھرپور انتظام ہوتا تھا. تو وہ دور جبکہ تصنیف وتالیف عام نہ ہوئی تھیں اور نہ ہی کتب کی حفاظت کا زیادہ

موثر انتظام تھا، اسوقت تو تحریف کرنا زیادہ آسان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹی احادیث بھی گھڑی گئیں، مگر جس طرح احادیث کی حفاظت کے لیئے بعض ائمہ نے خوب محنت کی، اسی طرح فقہ اکبر کے بعض نسخے بھی ایسے ہی ائمہ کی بدولت تحریفات سے محفوظ رہے۔

فقہ اکبر علم کلام پر ابتدائی کتب میں سے ہے اور بعد میں لکھی جانے والی کتب کے مقابلے میں متن کی طرح ہے۔ مگر اس کتاب سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ علم کلام کے مسائل سمجھانے اور سلجھانے میں امام اعظم نے کس قدر محنت کی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس دور میں عقائد میں کتنی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔

فقہ اکبر سے بعد میں آنے والے ائمہ نے بھی استفادہ کیا اور اس کے مسائل بعد میں آنے والے ائمہ نے اپنی کتب میں درج کئے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر سے ہر دور میں علماء فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اس کی قابل قدر شرح کسی نے اس لئے نہیں لکھی کہ ایک تو یہ کتاب شرح کی محتاج نہیں، اور دوسرا یہ کہ اس میں بیشتر ایسے مسائل موجود نہ تھے جو بعد میں ائمہ متکلمین نے اپنی کتاب میں شامل کئے۔ بعد میں جب دوسری کتب لکھی گئیں تو وہی کتب اپنے اسلوب کی بنا پر ایسی معروف ہوئیں کہ ان کی شرح در شرح کا سلسلہ چل پڑا اور یوں فقہ اکبر پس پردہ چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ملا علی قاری نے اس کی شرح لکھی تو بعد میں بہت سے مسائل جو متن میں نہ تھے، انہیں بھی ذکر کیا اور متن وشرح کو ایک مستقل کتاب کی شکل دی، ملا علی قاری نے بھی غالباً اس وجہ سے اس کی شرح کی طرف توجہ کی، کہ اس کتاب کو گوشہ گمنامی سے نکال کر منظر عام پر لایا جائے۔ ملا علی قاری کی یہ شرح اس قدر مشہور ہوئی کہ اب فقہ اکبر علیحدہ سے بہت کم دستیاب ہے، ہاں شرح کے ساتھ متن طبع ہو چکا ہے۔ ملا علی قاری نے جس شان سے شرح لکھی ہے اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ صرف فقیہہ اور محدث ہی نہیں بلکہ بے مثال متکلم بھی ہیں۔

ہمارے یہاں اکثر جگہ یہ طریقہ ہے کہ اپنے اسلاف کی بعض اشیاء، خواہ ہمارے کام کی نہ ہوں انکو تبرک سمجھ کر، حرز جان بنا کر، رکھتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ امام اعظم کی یہ

فقہ اکبر بھی ہم تعلیمانہ سہی ،تبرکا ہی اپنے پاس رکھتے ۔اس کو پڑھتے پڑھاتے ،مگر افسوس ایسا نہیں ہوا ،بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حنفی تو ہم ہیں ،مگر جن کتب پر فقہ حنفی کی عمارت قائم ہوئی ۔ان کتب سے ہم ناواقف ہیں ۔ہر چند کہ بعد میں آنے والی کتب نے ہمیں ابتدائی کتب سے مستغنی کر دیا ،مگر ان کتب کی اہمیت اور فائدہ اپنی جگہ پر ہے ،ہمیں چاہئے کہ حنفی کہلاتے ہیں تو حنفی ہونے کا حق ادا کریں ۔"فقہ اکبر" ایک مختصر متن ہے جس کا ترجمہ آپ کے سامنے موجود ہے ۔اس کو خود بھی پڑھیں ۔اور دوسروں کو بھی پڑھائیں ،اور جو ،ذی علم حضرات ہیں وہ فقہ حنفی کی دیگر قدیم کتب کا ترجمہ کریں ،مثلاً امام محمد کی کتاب الاصل ،جامع صغیر ،جامع کبیر ،سیر صغیر ،سیر کبیر ،زیادات ،نوادر ،المبسوط ،المختار ،الاختیار ،نقایہ ،شرح نقایہ ،شرح فقہ اکبر ،ملا علی قاری و دیگر کتب وغیرہ ۔

کوئی یہ نہ کہے کہ اس کتاب کا ترجمہ ہو گیا ،تو کام ختم ،نہیں کام تو بہت باقی ہے ،میں اہل علم کو مذکورہ کتب کا ترجمہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں ۔واللہ الموفق للخیرات ۔

امام اعظم کے بارے میں لکھی گئی کتب:

امام اعظم کے بارے میں بہت سی کتب تحریر کی گئیں ،اور بہت سی کتب میں امام اعظم کا تذکرہ لکھا گیا ،بعض نے ان الزامات کا جواب تحریر کیا جو امام اعظم پر حاسدین کے لگائے ہوئے ہیں ،ذیل میں ایسی چند کتب کا نام لکھا جا رہا ہے ،تا کہ امام اعظم کے احوال کو تفصیل سے جاننے والے حضرات ان کتب کی طرف رجوع کریں:

کتاب	مصنف
☆ امام ابو حنیفہ	ابو زہرہ مصری
☆ عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان	محمد بن یوسف صالحی شافعی شامی
☆ اخبار ابی احنیفہ وصاحبیہ	حسین بن علی ابو عبد اللہ حافظ صمیری حنفی
☆ بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
☆ تاریخ بغداد	خطیب بغدادی شافعی

☆ تانیب الخطیب	علامہ زاہد کوثری مصری حنفی
☆ طبقات حنفیہ	عبدالقادر قرشی حنفی
☆ الفوائد البہیہ	عبدالحیٔ لکھنوی حنفی
☆ تذکرہ الحفاظ	حافظ ذہبی شافعی
☆ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء	ابن عبدالبر مالکی
☆ وفیات الاعیان	ابن خلکان ابوالعباس احمد بن ابراہیم شافعی
☆ تبییض الصحیفہ	جلال الدین سیوطی شافعی
☆ جامع المسانید	ابوالمؤید محمود خوارزمی حنفی
☆ الخیرات الحسان	ابن حجر ہیتمی مکی شافعی
☆ الدر المنیفہ فی الرد علی ابن ابی شیبہ	حافظ عبدالقادر قرشی
☆ مناقب	حافظ موفق بن احمد مکی حنفی
☆ مناقب	کردری

نوٹ:

الخیرات الحسان کا اردو ترجمہ علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

حافظ موفق مکی کے مناقب کا ''مناقب امام اعظم''، اور حافظ کردری کے مناقب کا ''مقام امام اعظم'' کے نام سے، علامہ فیض احمد اویسی مدظلہ نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتب بڑے سائز کے چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

☆ مناقب امام اعظم	ملا علی قاری
☆ امام اعظم	علامہ ابوالخیر دہلوی
☆ مقام امام اعظم	علامہ زین العابدین راشدی
☆ امام اعظم پر اعتراضات کے جوابات	علامہ نور بخش توکلی

☆ تذکرۃ المحدثین	علامہ غلام رسول سعیدی
☆ امام اعظم اور علم حدیث	محمد علی صدیقی کاندھلوی
☆ امام اعظم ابوحنیفہ	عزیز الرحمٰن دیوبندی (اسکالر)
☆ حدائق حنفیہ	فقیر محمد جہلمی حنفی
☆ سیرت امام اعظم	علامہ شاہ تراب الحق قادری
☆ مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری	علامہ محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ

☆ ایک قابل ذکر مضمون والد گرامی علیہ الرحمۃ کے قلم سے ان کی کتاب ''رسول و نائبین رسول'' میں بھی ہے۔

یہ ایک مختصر فہرست ان کتب کی ہے جو امام صاحب کے بارے میں لکھی گئیں، اس فقیر نے بھی زیادہ تر باتیں انہیں کتب سے نقل کی ہیں۔اس کے علاوہ بھی بڑی تعداد میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سے متعلق چھوٹی بڑی کتب لکھی گئیں ہیں جن کے حوالے ان ہی کتب میں مل جائیں گے۔

علم الکلام یا علم العقائد:

چونکہ فقہ اکبر کا تعلق عقائد و کلام سے ہے، لہٰذا مختصرا، علم عقائد و علم کلام کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔

علم عقائد یا علم کلام، موجودہ دور میں ایک ہی فن شمار ہوتا ہے، اور اس فن کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی عقائد کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جائے، اور دین پر اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں، تاکہ اسلامی عقائد محفوظ رہیں۔اس فن میں زیادہ تر گفتگو ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ، امور آخرت اور توحید و رسالت کے بارے میں ہوتی ہے۔اور یہی اس کے اہم اجزاء ہیں۔ضمنی طور پر بھی بعض مسائل اس میں بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً معجزات و کرامات کا اثبات، پیشین گوئیاں، علم غیب کا، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لئے ثبوت اور وجود، انبیاء علیہم السلام

اور اولیاء کرام اور دیگر نیک مومنین کا بارگاہ الٰہی میں مقام و مرتبہ، ولایت کے درجات، تعداد انبیاء، خاتم النبیین کے معنیٰ، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور دیگر مومنین کے دنیاوی اور اخروی اختیارات و امتیازات، قرآن کریم کا کلام باری تعالیٰ ہونے کا ثبوت، نبوت اور ولایت میں فرق اور افضلیت اور ان کے اغراض و مقاصد وغیرہا۔

امام اعظم کے دور میں علم کلام کی تدوین نہیں ہوئی تھی، ہر شخص اپنے اپنے علم کے مطابق کلام کرتا تھا، دشمنان اسلام اور منافقین زمانہ کے اعتراضات کا جواب دیتا۔ بعد میں اس فن میں گفتگو کرنے کے اسلوب و قواعد ترتیب دیئے گئے، اور عقائد پر مشتمل گفتگو کو ضبط تحریر میں لایا جانے لگا۔ کچھ گمراہ کن فرقے بھی اپنے گمان کے مطابق دین متین کا دفاع کرتے، مگر عقلی دلائل کو ترجیح دیتے تھے۔ اگر کوئی عقلی دلیل، روایات ثابتہ و احادیث صحیحہ کے خلاف بھی ہوتی، تو روایات کو چھوڑ دیتے اور عقلی دلائل کے مطابق اپنا مذہب اختیار کرتے مگر ظاہر ہے کہ انسانی عقل حکمت الٰہی کو سمجھنے کی قوت تامہ نہیں رکھتی اور کوئی روایت ہماری عقلی دلیل کے خلاف ہے، تو وہ دلیل یقیناً غلط ہے، اور روایت صحیح ہے، کیونکہ روایت کا سرچشمہ نبوت و ولایت ہے، نبوت کی بات میں تو غلطی کا امکان ہی نہیں، اور ولایت کی بات میں غلطی کا امکان بہت کم۔ اسی بناء پر بہت سے لوگ احادیث صحیحہ کے خلاف مذہب بنا بیٹھے اور گمراہ ہوگئے، جن میں رافضی، خارجی، معتزلی، جہمی فرقے سرفہرست ہیں۔ ان میں سے معتزلی متکلمین نے علم کلام کو اپنا کر اس میں اس قدر محنت کی، کہ اکثر لوگ یہ کہنے لگے، کہ علم کلام کے بانی معتزلی ہیں، اور علم کلام دو صدیوں تک معتزلی فرقے کے ہاتھوں میں پھلتا پھولتا رہا۔ حالانکہ یہ بات سرے سے غلط ہے، جب امام اعظم نے عقائد اور کلام پر فقہ اکبر نامی کتاب لکھی ہے، تو یہ دونوں باتیں کیسے تسلیم کی جائیں؟

فقہ اکبر کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے، کہ اہل سنت میں علم کلام امام اعظم کے دور سے رائج ہوا، اور اس سے پہلے علم کلام میں کوئی سنی، متکلم کی حیثیت سے نہیں ابھرا۔ ہاں بعض علماء اپنے طور پر تھوڑا بہت کام کرسکے جو مقبول نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ اہل علم یہ اعتراف

کرنے پر مجبور ہیں کہ علم کلام میں اہل سنت کے اولین متکلمین میں امام اعظم شامل ہیں.
عبدالقاہر بغدادی شافعی لکھتے ہیں کہ اہل سنت میں فقہاء اور مذاہب کے ارباب میں امام
اعظم اور امام شافعی ہیں اور امام اعظم کی ایک کتاب "الفقہ" قدری فرقہ کے رد میں ہے۔

(اصول الدین، عبدالقاہر بغدادی ۳۰۸ھ)

امام اعظم، امام شافعی سے پہلے گزرے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علم کلام میں بھی اہل
سنت نے ہی کام شروع کیا، اور امام اعظم اس میں سب سے آگے نکل گئے۔ اور آپ کے
بعد آپ کے شاگردوں، اور شاگردوں کے شاگردوں نے اس کو وسعت دی، حتیٰ کہ امام
ابو منصور ماتریدی کا دور آیا، اور آپ اہل سنت میں علم کلام کے حوالے سے اس قدر مشہور
ہو گئے کہ عقائد و کلام میں آپ کی پیروی کرنے والے ماتریدی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔
دوسری طرف ابوالحسن اشعری، جو کہ معتزلی تھے، پھر سنی ہوئے اور معتزلہ وغیرہ کا رد کیا اور آپ
کا طریقہ اس قدر مقبول ہوا کہ عقائد و کلام میں آپ کا طرز اسلوب اپنا کر سنی، اشعری بھی
کہلانے لگے۔ یہ تو صحیح ہے کہ اشعری حضرات نے طریقہ مناظرہ، معتزلہ سے لیا، مگر ماتریدی
حضرات کا طرز اسلوب امام اعظم سے چلا۔ اب یقیناً امام اعظم نے بھی کسی سے یہ سب سیکھا، مگر
ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس میں امام اعظم کے استاد کا نام معلوم نہیں ہو سکا، ہاں یہ بات یقینی
ہے کہ امام اعظم کے اساتذہ میں کوئی بد عقیدہ نہیں ہے، لہٰذا یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ علم
کلام میں بھی آپ کے استاد کوئی سنی ہی تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اولاً علم عقائد یا
علم کلام کی بنیاد رکھنے والے اہلسنت سے ہی تعلق رکھتے ہیں، اب وہ یا تو تابعی ہونگے، یا
صحابی۔ جیسا کہ علم نحو کی اولین بنیاد رکھنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اس کے بعد اس کے قواعد
میں آپ کے شاگرد ابوالاسود دوئلی نے خوب سے خوب اضافہ کیا، تابعین میں تو امام اعظم
کے علاوہ کوئی سنی، متکلم و مناظر کی حیثیت سے نظر نہیں آتا، ہاں صحابہ کرام میں چند شخصیات اس
حوالے سے ضرور پہچانی جاتیں ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت
تک کوئی فرقہ سامنے نہیں آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں خارجی اور رافضی فرقے سامنے

آئے۔اور حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام نے ان کا رد کیا۔اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مناظرہ بہت مشہور ہے۔جس کو امام نسائی نے اپنے مناقب علی رضی اللہ عنہ میں بیان کیا ہے۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے بھی بہت مشہور ہیں،ایک مرتبہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں آیا اور کہنے لگا کہ تقدیر کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آتا یعنی بندہ محض مجبور ہے یا قادر مطلق ہے؟ آپ نے فرمایا بہت آسان ہے کھڑے ہو جاؤ اور ایک ٹانگ اٹھاؤ،تو وہ ایک ٹانگ پر کھڑا ہو گیا،فرمایا دوسری بھی اٹھالو،وہ بولا یہ تو ممکن نہیں،فرمایا بس اسی حد تک اختیار ہے۔یعنی بندہ نہ تو بالکل مجبور محض ہے اور نہ قادر مطلق ہے،ایک حد تک قادر ہے اور ایک حد تک مجبور ہے۔ان دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے کلام میں جو طرز گفتگو اختیار کیا،اسی کو بعد میں اہل سنت کے متکلمین اور مناظرین نے اختیار کیا،یعنی مدمقابل کے مسلمہ اصولوں سے ہی اس کی دلیل کا توڑ کیا جائے،اور مدمقابل کو چپ کرا دیا جائے،اور ان کے بیان کردہ مسائل و دلائل سے ہی ان کی گرفت کی جائے۔یقیناً ان کا طریقہ ان کے شاگردوں نے اپنایا ہوگا اور ان کے شاگردوں سے امام اعظم نے تحصیل علم کی ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے،کہ علم کلام کے اولین بانی حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں،ان کے شاگردوں نے ان سے یہ طریقہ سیکھ کر آگے سکھایا ان ہی سے امام اعظم نے یہ طریقہ حاصل کیا،ہاں بعد میں معتزلہ اس فن میں آگے آگئے بلکہ چھا گئے اور ایسے چھا گئے کہ لوگ ان ہی کو اس فن کا بانی کہنے لگے۔

معتزلہ کے آگے آنے کی دو بڑی وجوہ تھیں:

1- اکثر علماء اس طریقہ سے گفتگو اور مجادلہ و مباحثہ کو ناپسند کرتے تھے،اور لوگوں کو اس سے روکتے تھے بلکہ بڑے بڑے متکلمین آخری عمر میں مناظرے وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر،یا تو ترک دنیا کی طرف راغب ہوئے،یا دوسرے فنون اپنائے،جیسا کہ امام اعظم و امام غزالی وغیرہ۔ان کے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ صحابہ کرام کا یہ طریقہ نہیں تھا تو ہم کیوں اپنائیں،ظاہر ہے جب اہل حق پیچھے ہو جائیں گے تو اہل

باطل ہی چھائیں گے۔

2- اس زمانہ میں مسلمانوں کا واسطہ غیر مسلمین اور فلسفی حضرات سے زیادہ پڑتا تھا، اور یہ سب لوگ دین پر اعتراض کرتے تھے۔ معتزلہ اسلامی فرقہ ہونے کے ناطے اسلامی چھاپ رکھتے تھے، وہ بھی ان کا رد کرتے اور صرف عقلی دلائل استعمال کرتے تھے، جس سے مد مقابل مغلوب ہو جاتا تھا، یوں اسلام کا دفاع کرتے ہوئے بھی وہ لوگ آگے نکل آئے، مگر دفاع اسلام کے نام سے اسلام کی جڑیں ہی کھوکھلی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

بعد میں علماء اہل سنت نے علم کلام کو مضبوط طریقے سے اپنایا، تو ان گمراہ فرقوں کا رد بھی علم کلام کا حصہ بن گیا، گمراہ فرقے اس کی زد میں آئے، تو وہ بھی اہل سنت سے مغلوب ہو گئے، غیر مسلموں کی پھر اتنی جرات نہ رہی کہ وہ مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں الجھائیں، کیونکہ مسلمانوں نے ان کے طریقے سیکھ کر ان کا رد کیا، اور ایسا رد کیا کہ ان کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب رہ گئے گمراہ فرقے، تو ان کا بھی ایسے بھرپور طریقے سے محاسبہ کیا گیا کہ سب تتر بتر ہو گئے، کسی نے خود کو بچانے کیلئے محبت علی کی آڑ لی، کسی نے محبت صحابہ کی، کسی نے فقہ حنفی کا پردہ خود پر تانا، کسی نے فقہ حنبلی کا، کوئی امام بخاری کا کہلانے لگا، تو کوئی امام شافعی کا، غرضیکہ سب گمراہ لوگوں کا بھرپور رد ہوا اور ان ہی کے دلائل سے ان کا توڑ ہوا۔ اسلامی فرقوں کے بارے میں جاننے کے لئے "مذاہب اسلام" کا مطالعہ کرنا چاہئے جو کہ علامہ نجم الغنی خان رامپوری (سنی عالم) کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے 1300 سال تک وجود میں آنے والے تمام فرقوں کا بیان کیا ہے۔

اس میدان میں ابوالحسن اشعری کو بہت شہرت حاصل ہوئی، چونکہ وہ بھی معتزلی رہ چکے تھے اب تائب ہوئے، لہٰذا معتزلہ ان سے ڈرتے تھے۔ جبکہ سنی ان کو پسند کرتے تھے، یوں وہ ایک سنی مناظر کی حیثیت سے سامنے آئے، اور کوئی شخص اس دور میں اس طرح کا نہیں تھا، جو جگہ جگہ مناظرے کرے، لہٰذا ہر جگہ لوگ ان ہی کو آگے کرنے لگے، آپ نے

اتنی مقبولیت حاصل کی کہ لوگ آپ کی طرف منسوب ہو کر اشعری کہلانے لگے۔آپ نے اہل سنت میں مناظرے کی بنیادوں کو مستحکم کیا اور علم کلام سے غیر معمولی شغف اختیار کیا، اور معتزلہ کی بنیاد اکھیڑ دی۔

امام ابومنصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری علیہما الرحمۃ کا دور تقریباً ایک ہی ہے، دورِ سابق میں علم کلام میں فلسفی ابحاث کوئی خاص نہ تھیں، ابومنصور ماتریدی اسی انداز کو اپنا کر چل رہے تھے، جبکہ ابوالحسن اشعری نے اس میں فلسفی ابحاث خوب سے خوب انداز میں شامل کر کے ایک جدت پیدا کی، اور چونکہ دونوں کے عقائد تو ایک ہی تھے اگرچہ طرز بیان مختلف تھا، لہٰذا دونوں عالم، اہل سنت کے امام کہلائے۔امام ابومنصور نے تاویلات اہل سنت کے نام سے تفسیر لکھ کر بدمذہبوں کا رد کیا، بعد میں آنے والے علماء نے دونوں کا طرز بیان اپنا کر ایک نئی شکل میں علم کلام کو پھیلایا، اور فلاسفہ اور بدمذہبوں کی کمر توڑ دی، ان علماء میں امام غزالی اور امام رازی سرفہرست نظر آتے ہیں۔امام غزالی نے "تہافۃ الفلاسفہ" کے نام سے کتاب لکھ کر گمراہ کن فلسفہ کی دھجیاں بکھیر دیں، جبکہ امام رازی نے تفسیر کبیر جیسی عظیم کتاب لکھ کر بدمذہبوں کی بھرپور تردید کی۔

یہ بھی یاد رہے کہ عقائد پہلے فقہ کا ہی ایک حصہ تھے، اسی وجہ سے امام اعظم نے اپنی کتاب کا نام "فقہ اکبر" رکھا، اور اس میں بعض فقہی مسائل بھی درج کیے۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ جب احوال میں تبدیلی آئی، تو علماء نے اس فن کو علیحدہ صورت میں ترتیب دیا، ابتداء میں یہ فن علم عقائد اور وقت کے ساتھ ساتھ علم کلام کے نام سے مشہور ہو گیا۔امام ابوالحسن اشعری کے بعد اس فن میں علماء نے جامع قواعد ترتیب دیے، کتب لکھیں، بعض نے کسی ایک مسئلہ کو لے کر اس پر بحث کی، بعض نے پورے عقائد کا احاطہ کیا، جس کی وجہ سے عمدہ کتابیں وجود میں آئیں۔

برصغیر میں متاخرین علماء کی دو کتب نے علم کلام کے حوالے سے بہت جگہ بنائی، ایک علامہ عضد الدین شافعی ایجی کا مختصر متن جس کی شرح علامہ جلال الدین دوانی نے لکھی،

جو شرح عقائد جلالیہ کے نام سے معروف ہے اور آج کل نایاب ہے۔ دوسری عقائد نسفیہ، علامہ نجم الدین نسفی حنفی کا مختصر متن، اس کتاب نے جس قدر شہرت حاصل کی وہ دوسری کتابوں کو نہیں ملی، بے شمار شروحات اس کی لکھی گئیں. ان میں سے علامہ تفتازانی کی شرح بہت مقبول ہوئی پھر اس کی شروحات کا سلسلہ چل نکلا، برصغیر میں یہی شرح زیادہ مقبول ہے، اور اس کی سب سے بہترین شرح "النبر اس" ہے جس کے مصنف علامہ عبدالعزیز پر ہاروی ہیں، ایک اور بہترین حاشیہ علامہ محمد حسن سنبھلی کا ہے، یہ دونوں عربی ہی میں ہیں۔ بعد کے علماء میں سے علامہ نجم الغنی خان رامپوری نے اس متن عقائد نسفیہ کی اچھی شرح اردو زبان میں لکھی۔ علم عقائد و کلام کی بڑی بڑی کتب میں مطالع، شرح مطالع، مقاصد، شرح مقاصد، مواقف، شرح مواقف، طوسی کی تجرید، امام رازی کی المحصل نیز علام قوشجی، علامہ دوانی اور علامہ کا فیجی وغیرہ کے حواشی شامل ہیں، مگر آج کل یہ سب کتب نایاب ہیں، شرح عقائد وغیرہ کا شمار درمیانی کتب میں ہوتا ہے۔

علم کلام یا علم عقائد پر ہر زبان میں کتب لکھی گئیں، برصغیر میں بھی علماء نے اس فن پر کام کیا اور اپنے دور میں ہونے والے فتنوں کا سد باب کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ علم عقائد یا علم کلام کی کتب کا انداز و مزاج و قواعد ایک جیسے نہیں ملیں گے۔ برصغیر میں چونکہ علماء کا مقابلہ آریہ، ہندومت، عیسائیت سے زیادہ تھا، لہٰذا زیادہ تر علماء نے ان ہی کی تردید کی طرف توجہ کی، بالخصوص ۱۸۵۷ء کے بعد علماء نے اس بارے میں بہت کام کیا۔ برصغیر میں بھی علماء نے اس فن میں کتابیں لکھیں، چند مشہور کتب کے بارے میں یہاں بتایا جاتا ہے۔

تکمیل الایمان (فارسی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تحفہ اثنا عشریہ (فارسی) شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی، امتناع النظیر، تحقیق الفتوی (فارسی) شیخ فضل حق خیر آبادی، اظہار حق (عربی) علامہ رحمت اللہ کیرانوی، الدولۃ المکیۃ (عربی) اعلحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، العقیدہ الحسنہ (فارسی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اس کی بہترین شرح میرے دادا محترم علامہ خلیل ملت مفتی اعظم محمد خلیل خان قادری برکاتی نے اردو میں لکھی، جو عقائد اسلام

کے نام سے چھپی، یہ علم عقائد وکلام پر ایک بہترین اور جامع کتاب ہے، تمہید ایمان (اردو) امام احمد رضا محدث بریلوی، من عقائد اہل السنۃ (عربی) مرتب علامہ عبدالحکیم شرف قادری، مقام رسول (اردو) علامہ منظور احمد فیضی، بہار شریعت حصہ اول (اردو) صدر الشریعۃ بدر الطریقۃ محمد امجد علی اعظمی، اس کے علاوہ علامہ محمد عمر اچھروی نے مقیاس کے عنوان سے مختلف موضوعات پر کتب لکھیں ہیں، مثلاً مقیاس حنفیت، مقیاس خلافت، مقیاس نور، مقیاس صلوۃ وغیرہ، شیخ الحدیث علامہ محمد علی لاہوری نے تحفہ جعفریہ، فقہ جعفریہ، عقائد جعفریہ کے نام سے کئی جلدیں تحریر کیں، جن میں عقائد ومسائل اہل سنت کا دفاع کیا، سیف چشتیائی علامہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی۔ اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں علماء اہل سنت نے علم عقائد وکلام میں تصانیف تحریر کی ہیں۔

بعض علماء نے اس طرز پر اردو میں تفاسیر بھی لکھیں، اور آریہ، ہندو، عیسائیت کی طرف سے وارد، اعتراضات کا رد کیا، ان میں ایک تفسیر عبدالحق حقانی کی ہے جس کا نام بھی تفسیر حقانی ہے، یہ مکمل قرآن پاک کی تفسیر ہے، اور اس سے اچھی علامہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی کی ہے جس کا نام تفسیر نعیمی ہے مگر یہ مکمل نہیں، صرف 19 انیس پارے ملتے ہیں، تقریباً گیارہ سپارے تو خود آپ نے اور باقی آپ کے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد خان علیہ الرحمتہ نے تحریر کئے، اب تو ان کا بھی انتقال ہوگیا ہے، اور ان میں ایک اور اچھی تفسیر میزان الادیان ہے، جس کے مصنف علامۃ المتاخرین مفتی سید دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمہ ہیں، مگر افسوس صد افسوس ہزار ہا افسوس کہ یہ تفسیر صرف فقط سورۃ فاتحہ تک ہی چھپ سکی، اور ایک جلد میں اس کا مقدمہ، اگر یہ تفسیر مکمل ہوجاتی تو میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ دنیا کے تمام مذاہب والے اس تفسیر کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت کو مانتے اور اسلام قبول کر لیتے، مگر ہمارے علماء کیساتھ المیہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے ذمہ سارے کام ہوتے ہیں، افتا، تدریس، تبلیغ، تربیت، تقریر، جلسہ، جلوس وغیرہ، تو وہ کیا لکھے؟ اور آخری عمر میں اگر کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے، تو ادھورا کام چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں انسان کتنا لکھ سکتا ہے۔

دورِ حاضر میں علم کلام سے لوگوں کا لگاؤ محض اس حد تک ہے کہ عقائد درست کرلیں، اکثریت کا علم اس درجہ کا نہیں کہ ایک متکلم کی طرح علم کلام سے شغف رکھ سکے۔

ابتدائی دور میں جب علم کلام اور مناظرے وغیرہ رائج ہوئے تو علماء کی اکثریت نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ جب صحابہ نے یہ علم نہیں سیکھا تو ہم کیوں سیکھیں؟ علماء کرام کے اعتراض کا متکلمین نے جواب دیا۔ اور امام اعظم پر یہ اعتراض ہوا، تو آپ نے بھی اس کا جواب دیا، آپ کی کتاب "العالم والمتعلم" سے یہ اعتراض اور اس کا جواب مختصر لکھا جاتا ہے۔

متعلم نے پوچھا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ علم کلام پڑھنا درست نہیں، کیونکہ صحابہ نے یہ علم نہیں پڑھا۔ عالم جواب میں کہتا ہے: ان سے کہو کہ ہاں درست ہے، کہ جو چیز صحابہ نے نہیں پڑھی ہمیں بھی نہیں پڑھنا چاہیئے، مگر تم ذرا غور تو کرو کہ ہمارے اور صحابہ کے معاشرے میں کیا فرق ہے؟ دین کے بارے میں جن حالات سے ہم دو چار ہیں، ان سے صحابہ کرام دو چار نہ تھے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ ہیں جن کی زبانیں حق کے خلاف چھوڑی ہوئی اور بے لگام ہیں، ان کے نزدیک ہمارا خون بہانا جائز ہے، کیا ان حالات میں ہم پر یہ لازم نہیں کہ حق و باطل میں فرق کریں اور لوگوں کو سمجھائیں؟ مزید یوں سمجھو کہ صحابہ کرام ایسے بہترین ماحول میں تھے جہاں جنگ (یعنی باطل فرقوں کی ابحاث) کا نام ونشان نہ تھا، امن وسکون کی زندگی تھی، اور ایسے ماحول میں سامان حرب اور جنگ کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جنگجو طبقہ نے حملہ کرکے، ہمارے دین وایمان کی زندگی کا سکون تباہ و برباد کردیا ہے، اس لئے ہمیں ان سے نمٹنے کے لئے سامان حرب اور عسکری تربیت کی بھی ضرورت ہے، لہٰذا آج کے دور میں علم کلام ضرور پڑھنا چاہیئے۔

(اصول بزدوی ۴، امام اعظم اور علم حدیث)

بہت سے لوگ عقائد سے غافل رہتے ہیں، انہیں چاہیئے کہ مذکورہ بالا بیان کو بار بار پڑھیں اور عقائد کی اہمیت کو سمجھیں، اگر محض عمل ہی نجات کے لئے کافی ہوتا، تو ہمارے علماء کرام، عقائد و کلام پر اتنی بھرپور توجہ نہ دیتے، ہم سب پر لازم ہے کہ اپنے عقائد کو درست

کریں، اور عقائد و کلام سے متعلق علماء کرام نے جو کتب تحریر کیں ہیں انہیں اردو، سندھی، انگریزی زبان میں ترجمہ کریں، علماء کرام نے اس بارے میں یادگار تحریرات چھوڑیں ہیں، اگر آخرت میں نجات چاہتے ہیں تو عقائد کو درست کیجئے۔ فقہ اکبر ایک مختصر رسالہ ہے مگر اور دوسری تفصیلی کتب موجود ہیں۔ جن میں سے چند کے نام پیچھے گزرے، ان کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے عقائد و اعمال شریعت مطہرہ کے مطابق درست فرمائے، آمین۔

لکھنا تو بہت چاہیئے مگر فی الوقت اتنا ہی کافی ہے۔ (اللہ تعالیٰ قبول فرمائے)

(آمین وما علینا الا البلاغ المبین)

ضروری تنبیہ

کراچی کے ایک کتب خانہ نے امام اعظم کی کتاب "الفقہ الابسط" طبع کی مگر سرورق پر اس کا نام فقہ اکبر درج کیا، اور ساتھ ہی ان کا یہ دعوی بھی ہے، کہ یہی اصل فقہ اکبر ہے، جبکہ اسی کتاب میں مقدمہ میں علامہ زاہد کوثری کے حوالے سے اس کا نام "الفقہ الابسط" درج ہے، اور ساتھ ہی اس کی اور فقہ اکبر کی سندیں بھی الگ الگ درج ہیں، لہٰذا ناشرین کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ اصل فقہ اکبر ہے بلکہ وہ فقہ ابسط ہے۔

احوال ترجمہ:

فقیر نے اس کتاب کو زمانہ طالبعلمی میں اپنے والد گرامی سے پڑھا تھا جب حیدرآباد بورڈ سے مولوی عربی کا امتحان 1994 میں دیا تھا، اس دوران فقہ اکبر کا کوئی ترجمہ نہیں مل سکا، سوچا کہ اس کا ترجمہ کر دیا جائے، ترجمہ کرنے بیٹھا تو معلوم ہوا کہ اس کا متن ہی الگ دستیاب نہیں، شرح ملا علی قاری میں متن کا شرح سے، کئی مقامات پر امتیاز نہ ہوسکا۔ لہٰذا پہلے متن کی تلاش کی طرف توجہ کی، کافی تلاش کے بعد تین نسخے متن کے اکٹھے ہوئے:

1. شرح ملا علی قاری میں درج شدہ متن اس کو چھانٹ چھانٹ کر لکھا، یہ شرح ہند کی مطبوعہ تھی۔

- ہند سے طبع شدہ تقریباً اسی (80) سال قدیم نسخہ جس کا کاغذ بہت بوسیدہ تھا، امام اعظم کی ایک اور کتاب الوصیہ کے ساتھ طبع ہوا۔
- والد گرامی مفتی اہل سنت حضرت علامہ مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ۔ جو انہوں نے اپنے زمانہ طالب علمی 1963ء میں کہیں سے نقل کیا تھا۔

ان تینوں نسخوں میں الفاظ کی کمی بیشی کے اعتبار سے کہیں کہیں فرق تھا، لہٰذا ان تینوں نسخوں کی مدد سے، عربی متن، تمام الفاظ کو ملا کر، ایک جگہ تحریر کیا پھر اس کا ترجمہ کیا، تقریباً تمام کام ہی 1995 میں مکمل ہو چکا تھا، 2006ء میں اس پر نظر ثانی کی، تا کہ کوئی خامی ہو تو اس کو دور کیا جائے، ترجمہ میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو جملے بے ربط نہ لگیں بلکہ اردو کی ہی کتاب محسوس ہو۔

بعض مقامات پر مختصر، ضروری وضاحت بھی دی گئی ہے، جس کا امتیاز عربی متن دیکھنے سے ہو جائے گا، عربی متن بھی ہمراہ دیا گیا ہے، ترجمہ میں عنوانات اس فقیر نے اضافہ کئے ہیں، متن میں کوئی عنوان نہیں ہے۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ کوئی غلطی پائیں تو اصلاح فرمائیں۔

وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین، وبارك وسلم وعلینا معھم و بھم وفیھم۔

العبد حماد رضا نوری
دار العلوم احسن البرکات
شارع مفتی محمد خلیل خان، نزد ہوم اسٹیڈ ہال، حیدرآباد

كتاب الفقه الأكبر

للإمام الأعظم المحدث الأفخم إمام الأئمة كاشف الغمة سراج الأمة سرتاج الفقهاء الحافظ الحاكم الفقيه المحدث الامام أبي حنيفة نعمان بن ثابت الكوفي رضي الله عنه قال الإمام الأعظم الهمام الأفخم الأقدم قدوة الأنام أبو حنيفةَ الكوفي رضيَ اللهُ عنهُ في

كتابه الفقه الأكبر:

أصلُ التوحيدِ وما يصحُ الاعتقادُ عليه

يجبُ أنْ يقولَ: آمنتُ بالله وملائكته و كتبِه ورسُله واليوم الآخر والبعثِ بعدَ الموتِ والقدرِ خيرِهِ وشرِّهِ منَ اللهِ تعالى، والحسابِ والميزانِ والجنةِ والنارِ، وذلكَ حقٌ كُلُّهُ.

واللهُ تعالى واحدٌ لا مِنْ طريقِ العددِ ولكنْ من طريقِ أنهُ لا شريكَ لهُ (قل هو الله أحد الله الصمد) لم يَلِدْ ولم يُولدْ ولم يكنْ لهُ كفُواً أحَد .لا يُشبِهُ شيئاً مِنَ الأشياءِ مِنْ خلقه، ولا يشبهه شيء مِن خلقِهِ. لم يزلْ ولا يزالُ بأسمائه وصفاته الذاتية والفعلية. أما الذاتيةُ فالحياة والقدرة والعلم والكلام والسمع والبصر والإرادة .وأما الفعليةُ فالتخليقُ والترزيقُ والإحياء والإنشاء والإبداعُ والصنعُ وغيرُ ذلكَ من صفاتِ الفعلِ .لم يزلْ ولا يزالُ بأسمائهِ وصفاتِهِ (وأسماؤهُ صفةٌ لهُ) لم يحدُثْ لهُ اسمٌ ولا صفةٌ .لم يزلْ عالماً بعلمِهِ والعلمُ صفتُهُ في الأزلِ، قادراً بقدرتِهِ والقدرةُ صِفةٌ لهُ في الأزلِ، و متكلما بكلامه والكلام صفته في الأزل، وخالقاً بتخليقِهِ والتخليقُ صفةٌ لهُ في الأزلِ، وفاعلاً بفعلِهِ والفعلُ صفةٌ

لهُ في الأزلِ .والفاعلُ هوَ اللهُ تعالى (والفعلُ صفتُهُ في الأزلِ) والمفعولُ مخلوقٌ وفعلُ اللهِ تعالى غيرُ مخلوقٍ .وصفاتُهُ في الأزلِ غيرُ محدثةٍ ولا مخلوقةٍ. فمن قالَ إنها مخلوقةٌ أو محدثةٌ أو وقفَ فيها أو شكَ فيها فهوَ كافرٌ باللهِ تعالى .

والقرآنُ كلامُ اللهِ تعالى في المصاحِفِ مكتوبٌ وفي القلوبِ محفوظٌ وعلى الألسُنِ مقروءٌ و على النبيِّ صلى الله عليهِ وسلم مُنزَّلٌ. ولفظُنا بالقرانِ مخلوقٌ و كتابتُنا لهُ مخلوقةٌ وقراءتُنا لهُ مخلوقةٌ, والقرانُ غيرُ مخلوقٍ. وما ذكرَهُ اللهُ تعالى في القرانِ حكايةً عن موسى وغيرِهِ منَ الأنبياءِ عليهمِ السلام وعن فِرْعَوْنَ و إبليسَ, فإنَّ ذلكَ كلُّه كلامُ اللهِ تعالى إخباراً عنهم وكلامُ اللهِ تعالى غيرُ مخلوقٍ, وكلامُ موسى وغيرِهِ منَ المخلوقينَ مخلوقٌ.

والقرانُ كلامُ اللهِ تعالى فهوَ قديمٌ (لا كلامُهُم) (وسمِعَ موسى كلامَ اللهِ تعالى كما قالَ الله تعالى: وكلَّمَ اللهُ موسى تكليماً. و قدْ كانَ اللهُ تعالى متكلماً ولم يكنْ كلمَ موسى عليه السلام. و قدْ كانَ اللهُ تعالى خالقاً في الأزلِ ولم يخلقِ الخلقَ. (و في نسخة: قبلَ أن يخلقَ الخلقَ حقيقة. (ليسَ كمثلِهِ شيءٌ وهوَ السميعُ البصيرُ. فلما كلمَ اللهُ موسى, كلمَهُ بكلامِهِ الذي هوَ لهُ صفةٌ في الأزلِ.

و صفاتُهُ كلُها بخلافِ صفاتِ المخلوقينَ. يعلمُ لا كعلمِنا و يَقْدِرُ لا كقدرَتِنا و يَرَى لا كرؤيَتِنا و يسمعُ لا كسمعِنا و يتكلمُ لا ككلامِنا. نحنُ نتكلمُ بالآلاتِ والحروفِ واللهُ تعالى يتكلمُ بلا آلةٍ ولا حروفٍ, والحروفُ مخلوقةٌ و كلامُ اللهِ تعالى غيرُ مخلوقٍ.

وهو شيءٌ لا كالأشياءِ ومعنى الشيءِ إثباتُهُ بلا جسمٍ ولا جوهرٍ ولا عَرَضٍ. ولا حدَّ لهُ ولا ضدَّ لهُ ولا ندَّ له ولا مِثلَ لهُ. ولهُ يدٌ ووجهٌ ونفسٌ كما ذكرَهُ اللهُ تعالى في القرانِ, فما ذكرَهُ اللهُ تعالى في القرانِ منْ ذكرِ الوجهِ واليدِ والنفسِ فهو لهُ صفات بلا كيفٍ. ولا يقالُ إنّ يدَهُ قدرتُهُ أو نعمتُهُ لأنَّ فيهِ إبطالُ الصفةِ, وهوَ قولُ أهلِ القَدَرِ والإعتزالِ. ولكنْ يدُهُ صفتُهُ

بلا كيفٍ، و غضبُهُ و رضاهُ صفتانِ من صفاتِهِ بلا كيفٍ.

خلقَ اللهُ تعالى الأشياءَ لا منْ شئٍ. و كانَ اللهُ تعالى عالماً فى الأزلِ بالأشياءِ قبلَ كونِها. وهوَ الذى قدّرَ الأشياءَ و قضاها. ولا يكونُ فى الدنيا ولا فى الآخرةِ شئٌ إلا بمشيئتِهِ وعلمِهِ وقضائِهِ وقدرِهِ و كتْبِهِ فى اللوحِ المحفوظِ و لكنْ كتبُهُ بالوصفِ لا بالحكمِ والقضاءُ والقدرُ والمشيئةُ صفاتُهُ فى الأزلِ بلا كيفٍ. و يعلمُ اللهُ تعالى المعدومَ فى حالِ عدمِهِ معدوماً، و يعلمُ أنهُ كيفَ يكونُ إذا أوجدَهُ و يعلمُ اللهُ تعالى الموجودَ فى حالِ وجودِهِ موجوداً. ويعلمُ أنهُ كيفَ يكونُ فناؤُهُ، ويعلمُ اللهُ تعالى القائمَ فى حالِ قيامِهِ قائماً فإذا قعَدَ علِمَهُ قاعداً فى حالِ قعودِهِ منْ غيرِ أنْ يتغيرَ علمُهُ أو صفته، أو يحدُثَ لهُ علمٌ ولكنّ التغيُّرُ واختلافُ الأحوالِ يحدثُ فى المخلوقينَ.

خلقَ الله تعالى الخَلْقَ سليماً منَ الكفرِ والإيمانِ ثمَّ خاطبَهُم و أمرَهُم ونهاهُم، فكفرَ منْ كفرَ بفعلِهِ وإنكارِهِ و جحودِهِ الحقَّ بخذلانِ اللهِ تعالى إياهُ. وآمنَ منْ آمنَ بفعلِهِ و إقرارِهِ و تصديقِهِ بتوفيقِ اللهِ تعالى إياهُ ونصرتِهِ لهُ .أخرجَ ذريةَ آدمَ عليهِ السلامُ منْ صُلبِهِ على صُوَرِ الذَّرِ فجعَلَ لهم عقلاً (فى نسخة: فجعلهم عقلاء) فخاطبَهُم وأمرَهُم بالإيمانِ ونهاهُم عنِ الكفرِ فقالَ: ألستُ بربكُم؟ قالوا: بلى. فأقروا لهُ بالربوبيةِ فكانَ ذلكَ منهُم إيماناً، فهُم يولدونَ على تلكَ الفطرةِ إما شاكرا و إما كفورا، ومنْ كفرَ بعدَ ذلكَ فقدْ بدّلَه وغيّره .ومَنْ آمنَ و صدّقَ فقدْ ثبتَ عليهِ وداومَ. ولم يُجبِرْ أحداً من خلقِهِ على الكفرِ ولا على الإيمانِ ولا خلقَهُم مؤمناً ولا كافراً، ولكنْ خلقَهُم أشخاصاً. والإيمانُ والكفرُ فعلُ العبادِ .يعلمُ اللهُ تعالى مَنْ يكفرُ فى حالِ كفرِهِ كافراً وأبغضه فإذا آمنَ بعدَ ذلكَ علمَهُ مؤمناً فى حالِ إيمانِهِ وأحبه، من غيرِ أنْ يتغيرَ علمُهُ وصفتُهُ.

و جميعُ أفعالِ العبادِ منَ الحركةِ والسكونِ كسبُهُم على الحقيقةِ واللهُ تعالى خالقُها، وهىَ كلُها بمشيئتِهِ وعلمِهِ وقضائِهِ وقدَرِهِ. والطاعاتُ

كلُها ما كانتْ واجبةً بأمرِ اللهِ تعالى و بمحبتهِ و برِضائهِ وعلمِهِ ومشيئتهِ وقضائِهِ و تقديرِهِ والمعاصى كلُّها بعلمِهِ وقضائِهِ وتقديرِهِ ومشيئتِهِ لا بمحبتِهِ ولا برضائِهِ ولا بأمرِهِ.

والأنبياءُ عليهِمُ الصلاةُ والسلامُ كلُّهم منزّهونَ عن الصغائرِ والكبائرِ والكفرِ والقبائحِ و الفواحشِ وقدْ كانتْ منهُم زلاتٌ وخطيئاتٌ. ومحمدٌ رسولُ اللهِ صلى اللهُ عليهِ وعلى آلهِ وسلمَ حبيبه وعبده و نبيُّهُ و رسولُهُ وصفيُهُ ونقيه و منتقاه ولم يعبدِ الصنمَ ولم يشركْ باللهِ طرفةَ عينٍ قطّ ولم يرتكب صغيرةً ولا كبيرةً قط.

و أفضلُ الناسِ بعدَ رسولِ اللهِ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ وبعد النبيين عليهم السلام أبو بكرٍ الصديقُ ثم عمرُ بنُ الخطابِ الفاروق ثمَّ عثمانُ بنُ عفانَ ذوالنورينِ ثم عليُّ بنُ أبي طالبٍ المرتضى رضوانُ اللهِ تعالى عليهم أجمعين. غابرينَ على الحقِّ ومعَ الحقِّ، كما كانوا نتولاهُم جميعاً. ولا نذكرُ الصحابةَ (فى نسخة الكوثرى: ولا نذكرُ أحداً من أصحابِ رسولِ اللهِ) إلا بخيرٍ. ولا نكفرُ مسلماً بذنبٍ منَ الذنوبِ وإنْ كانتْ كبيرةً إذا لم يستحِلَّهَا، ولا نزيلُ عنهُ اسمَ الإيمانِ ونسمِّيهِ مؤمناً حقيقةً، ويجوزُ أنْ يكونَ مؤمناً فاسقاً غيرَ كافرٍ.

والمسحُ على الخفينِ سنةٌ والتراويحُ فى ليالى شهرِ رمضانَ سنةٌ والصلاةُ خلفَ كلِّ برٍ وفاجرٍ من المؤمنينَ جائزةٌ. ولا نقولُ إنَّ المؤمنَ لا تضرُّهُ الذنوبُ ولا إنهُ لا يدخلُ النارَ ولا إنهُ يخلدُ فيها وإنْ كانَ فاسقاً بعدَ أنْ يخرجَ منَ الدنيا مؤمناً. ولا نقولُ إنَّ حسناتِنا مقبولةٌ وسيئاتِنا مغفورةٌ كقولِ المُرجئةِ، ولكنْ نقولُ المسئلةُ مُبَيَّنَةٌ مفصّلَةٌ: منْ عَمِلَ حسنةً بجميعِ شرائِطِها خاليةً عنِ العيوبِ المفسِدَةِ والمعانى المبطِلَةِ ولم يبطِلْها بالكفرِ والردةِ و الأخلاقِ السيئةِ، حتى خرجَ منَ الدُّنيا، فإنَّ اللهَ تعالى لا يُضَيِّعُها بلْ يقبَلُها منهُ و يثيبُهُ عليها. وما كانَ منَ السيئاتِ دونَ الشركِ والكفرِ ولمْ يتبْ عنها حتى ماتَ مؤمناً فإنّهُ فى مشيئةِ اللهِ

تعالى، إنْ شاءَ عذّبَهُ وإنْ شاءَ عفا عنهُ ولم يعذِّبْهُ بالنارِ أبداً. والرياءُ ماذا وَقَعَ فى عملٍ منَ الأعمالِ فإنّهُ يُبطِلُ أجرَهُ وكذا العُجبُ.

والآياتُ للأنبياءِ والكراماتُ للأولياءِ حقٌّ. وأما التى تكونُ لأعدائِهِ مثلِ إبليسَ وفرعَونَ والدجالِ مما (فى نسخة: كما) روىَ فى الأخبارِ أنهُ كانَ ويكون لهم فلا نسمّيها اياتٍ ولا كراماتٍ ولكنْ نسمّيها قضاءَ حاجاتٍ لهم، وذلكَ لأنَّ اللهَ تعالى يقضِى حاجاتِ أعدائِهِ استدراجاً وعقوبةً لهم، فيغترون به ويزدادونَ عصياناً وكفراً. وذلكَ كلُّهُ جائزٌ وممكنٌ.

وكانَ اللهُ خالقاً قبلَ أنْ يَخْلُقَ، ورازقاً قبلَ أنْ يَرزُقَ. واللهُ تعالى يُرَى فى الآخرَةِ، ويَراهُ المؤمنونَ وهُم فى الجنةِ بأعينِ رؤوسِهم بلا تشبيهٍ ولا كيْفيَّةٍ ولا كمية ولا جهة، ولا يكونُ بينَهُ وبينَ خلقِهِ مسافَةٌ.

والإيمانُ هوَ الإقرارُ والتصديقُ. وإيمانُ أهلِ السماءِ والأرضِ لا يزيدُ ولا ينقُصُ. والمؤمنونَ مستوونَ فى الإيمانِ والتوحيدِ متفاضلونَ فى الأعمالِ. والإسلامُ هو التسليمُ والانقيادُ لأوامرِ اللهِ تعالى ونواهيه. ففى (فى نسخة: فمن) طريقِ اللغةِ فرقٌ بينَ الإيمانِ والإسلامِ ولكنْ لا يكونُ إيمانٌ بلا إسلامٍ، ولا يوجد إسلامٌ بلا إيمانٍ. فهما كالظهرِ معَ البطنِ. والدينُ اسمٌ واقعٌ على الإيمانِ والإسلامِ والشرائعِ كُلِّها.

نعرفُ اللهَ تعالى حقَّ معرفتِهِ كما وصَفَ نفسَهُ بجميعِ صفاته. وليس يَقْدِرُ أحدٌ أنْ يعبدَ اللهَ تعالى حقَّ عبادتِهِ كما هوَ أهلٌ له. لكنّهُ يعبدُهُ بأمرِهِ كما أمَرَهُ بكتابه وسنة رسوله. ويستوِى المؤمنونَ كلُّهُم فى المعرفةِ واليقينِ والتوكلِ والمحبةِ والرضاءِ والخوفِ والرجاءِ والإيمانِ فى ذلك، ويتفاوتونَ فيما دونَ الإيمانِ فى ذلكَ كلِّهِ.

واللهُ تعالى متفضلٌ على عبادِهِ وعادلٌ قدْ يُعطِى منَ الثوابِ أضعافَ ما يستوجِبُهُ العبدُ تفضلاً منهُ، وقدْ يُعاقِبُ على الذنبِ عدلاً منهُ، وقدْ يَعفو فضلاً منهُ.

وشفاعةُ الأنبياءِ عليهمُ الصلاةُ والسلامُ حقٌّ، وشفاعةُ نبينا صلى اللهُ تعالى عليهِ و على الهِ وسلمَ للمؤمنينَ المذنبينَ ولأهلِ الكبائرِ منهُم المستوجبينَ للعقابِ حقٌّ ثابتٌ و وزنُ الأعمالِ بالميزانِ يومَ القيامةِ حقٌّ و الصراط حق و حوضُ النبيِّ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ حقٌّ والقِصاصُ فيما بينَ الخصومِ يومَ القيامةِ حق. فإنْ لم يكنْ لهم الحسناتُ فطَرْحُ السيئاتِ عليهم جائزٌ وحقٌّ. والجنةُ والنارُ مخلوقتانِ اليومَ لا تفنيانِ أبدًا ولا تموت الحور العين أبدا، ولا يفنى ثواب الله تعالى ولا عقابه سرمدا.

واللهُ تعالى يهدِى منْ يشاءُ فضلاً منهُ ويُضِلُّ منْ يشاءُ عدلاً منهُ، وإضلالُهُ خِذلانُهُ، وتفسيرُ الخِذلانِ: أنْ لا يوَفِّقَ العبدَ إلى ما يرضاهُ منهُ وهوَ عدلٌ منهُ، و كذا عقوبةُ المخذولِ على المعصيةِ. ولا (يجوز أن) نقولَ: إنَّ الشيطانَ يسلُبُ الإيمانَ مِنَ العبدِ المؤمنِ قهراً وجبراً، ولكنْ نقولُ: العبدُ يدَعُ الإيمانَ فإذا ترَكَهُ فحينئذٍ يسلبُهُ منهُ الشيطانُ.

و سؤالُ منكرٍ ونكيرٍ في القبرِ حقٌّ كائن وإعادَةُ الروحِ إلى العبدِ (الجسم) في قبرِهِ حقٌّ. وضغطةُ القبرِ حقٌّ (للكفارِ ولبعضِ أهلِ الكبائرِ منَ المسلمينَ. (و عذابُهُ (أي في القبرِ) حقٌّ كائنٌ للكفارِ كلِهم أجمعين ولبعضِ (أهلِ الكبائرِ منْ عصاةِ) المسلمينَ. و كذا تنعيم بعض المؤمنين حق.

و كلُّ ما ذكرَهُ العلماءُ بالفارسيَةِ منْ صفاتِ اللهِ تعالى عزتْ أسماؤُهُ وتعالتْ صفاتُهُ فجائزٌ القولُ بهِ، سوَى اليدِ بالفارِسيّةِ فإنه لا يجوز تعبيرها بالفارسية ويجوزُ أنْ يقالَ "بُرُوْی خُدَا" عزوجل، بلا تشبيهٍ ولا كيفيةٍ.

و ليسَ قربُ اللهِ تعالى ولا بُعدُهُ منْ طريقِ طولِ المسافةِ و قِصَرِها ولا (في نسخة: و لكن) على معنى الكرامةِ والهوانِ، ولكنّ المطيعُ قريبٌ منهُ بلا كيفٍ، والعاصي بعيدٌ عنهُ بلا كيفٍ. والقُربُ والبُعدُ والإقبالُ يقعُ على المنَاجي، و كذلكَ جِوارُهُ في الجنةِ، والوُقوفُ بينَ يَدَيهِ بلا كيفٍ.

والقرانُ منَزَّلٌ على رسولِ اللهِ صلى الله عليه و سلم وهو فى المُصْحَفِ مكتوبٌ. وآياتُ القرانِ كلُّهَا فى معنى الكلامِ مستويةٌ فى الفضيلَةِ والعظَمَةِ. إلا أنَّ لبعضِهَا فضيلَةُ الذكرِ و فضيلَةُ المذكورِ مثل آيةِ الكُرسى. لأنَّ المذكورَ فيها جلالُ اللهِ وعظمتُهُ وصِفَتُهُ. فاجتمعتْ فيها فضيلَتانِ، فضيلةُ الذكرِ و فضيلَةُ المذكورِ. ولبعضها فضيلَةُ الذكرِ فحسب. مثل قصة الكفار (فى نسخة: فى صفَةِ الكفارِ فضيلَةُ الذِّكرِ فحَسبُ) وليسَ للمذكورِ وهُمُ الكفارُ فضيلةٌ. وكذلكَ الأسماءُ والصفاتُ كُلُّها مستويةٌ فى الفضيلةِ والعظمةِ لا تفاوُتَ بينَهُما.

و رسولُ اللهُ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ ماتَ على الإيمانِ، و والدا رسولُ اللهُ صلى اللهُ عليهِ وسلمَ ماتَا على الفطرة (فى نسخة: على الإيمان) وأبو طالِبٍ عمُّهُ و أبو علىٍ ماتَ كافِراً. و قاسمٌ وطاهِرٌ وإبراهيمُ كانوا بَنِى (فى نسخة: أبناء) رسولِ اللهِ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ. و فاطمَةُ و زيْنَبُ ورُقَيَّةُ و أمُّ كُلثومَ كُنَّ جميعاً بناتِ رسولِ اللهِ صلى (فى نسخة: و رسولُ اللهُ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ ماتَ على الإيمانِ و والدا رسولُ اللهُ صلى اللهُ عليهِ وسلمَ ماتَا على الفطرة (فى نسخة: على الإيمان) وأبو طالِبٍ عمُّهُ و أبو علىٍ ماتَ كافِراً. وقاسمٌ وطاهِرٌ و إبراهيمُ كانوا بَنِى (فى نسخة: أبناء) رسولِ اللهِ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ. وفاطمَةُ و زيْنَبُ و رُقَيَّةُ و أمُّ كُلثومَ كُنَّ جميعاً بناتِ رسولِ اللهِ صلى اللهُ تعالى عليهِ وسلمَ ورضىَ عنْهُنَّ.

وإذا أشكَلَ على الإنسانِ شىءٌ مِنْ دقَائِقِ علمِ التوحيدِ فينبغِى لهُ أنْ يعتَقِدَ فى الحالِ ما هوَ الصوابُ عندَ اللهِ تعالى. إلى أنْ يجِدَ عالماً فيسألُهُ. ولا يسعُهُ تأخيرُ الطَلَبِ ولا يُعْذَرُ بالوقفِ فيهِ، ويَكفُرُ إنْ وَقَفَ.

وخَبَرُ المعراجِ حقٌ ومنْ ردَّهُ فهوَ ضالٌ مبتدِعٌ. وخروجُ الدجالِ ويأجوجَ ومأجوجَ وطلوعُ الشمسِ منْ مغرِبِها ونزولُ عيسى عليهِ السلامُ منَ السماءِ وسائِرِ علامَاتِ يومِ القيامَةِ على ما وَرَدَتْ بهِ الأخبارُ الصحيحةُ حقٌ كائِنٌ.

وَاللهُ يَهدِى مَنْ يشاءُ إلى صِراطٍ مُستقيم.

انتهى كتاب الفقه الأكبر للإمام أبي حنيفة رضيَ اللهُ عنهُ.

قد فرغت من تسويدها سنة خمس عشرة بعد الألف وأربعمئة، و

خلت يومان من ذى القعدة.

و يطابق من الميلادى 1995-4-3 و فرغت من تبييضه

18-4-1416 ---- 15-9-1995

والحمد لله على ذلك.

العبد محمد حماد رضا النورى البركاتى القادرى السنى الحنفى المحمدى

فقہ اکبر (ترجمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

امام اعظم، بلند ہمت، سبقت لے جانے والے باہمت عالم مخلوق کے پیشوا ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ و رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرمایا۔

ان باتوں کا بیان، جس پر توحید کی بنیاد ہے اور جن پر عقیدہ (یعنی یقین) رکھنا ضروری ہے

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کہے: میں (سچے دل سے، یقین سے) ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی سب کتابوں پر، اور سب رسولوں پر، اور آخری دن پر، اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اور تقدیر کا اچھا یا برا ہونا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے پر، اور حساب وکتاب، نیز اعمال کے وزن کئے جانے پر، اور جنت اور دوزخ پر بھی، اور اس پر کہ یہ تمام چیزیں برحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ

اللہ تعالیٰ ایک ہے، مگر گنتی کے طریقہ سے نہیں، (کہ ایک کے بعد دو آئے یا ایک سے قبل کچھ نہ ہو)، بلکہ اس طریقہ سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، (جیسے کہ اس کا فرمان ہے کہ) کہہ دو کہ اللہ تو ایک ہی ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں، نہ تو وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کے مشابہہ ہے، اور نہ ہی اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہہ ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ اپنے تمام ناموں اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ (موجود، و باقی) رہے گا۔ اس کی چند ذاتی صفات یہ ہیں، حیات، قدرت، علم، کلام کرنا، سننا، دیکھنا، ارادہ کرنا اور اس کی چند فعلی صفات یہ ہیں تخلیق، رزق دینا، زندگی دینا، انشاء (بنانا، پیدا کرنا) ابداع (پہلی بار کسی چیز کو بہترین بنانا کہ اس میں اصلاح کی ضرورت نہ ہو) حکمت سے بنانا وغیرھا۔ اور وہ اپنے تمام ناموں اور صفات کے ساتھ، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کا کوئی نام اور کوئی صفت حادث نہیں۔(۱)

وہ اپنے علم سے ہمیشہ ہر بات جانتا ہے، اور اس کی صفت علم ازل سے ہی موجود ہے۔ وہ اپنی قدرت سے جو چاہے کر سکتا ہے، اور اس کی صفت قدرت ازل سے ہی موجود ہے۔ وہ اپنی صفت کلام سے متکلم ہے اور اس کی صفت کلام ازل سے ہی قائم ہے۔ اپنی صفت تخلیق سے ہر چیز کا خالق ہے، اور اس کی صفت تخلیق بھی ازل سے ہی موجود ہے۔ اپنی صفت فعل سے ہر کام کرتا ہے اور اس کی صفت فعل ازل سے ہی موجود ہے۔

فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور فعل کا اثر مخلوق ہے جو کہ مفعول ہے، مگر (مفعول کے مخلوق ہونے سے) اللہ تعالیٰ کا فعل (یعنی صفت فعل) مخلوق و حادث نہیں ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ہیں۔ نہ حادث ہیں اور نہ مخلوق ہیں۔ لہٰذا جو کہے اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق ہیں یا کہے کہ حادث ہیں، یا اس بارے میں سکوت کرے یا شک کرے، تو وہ کافر ہے، یقیناً کافر ہے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والا ہے۔

قرآن کریم:

اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے، اور دلوں (یعنی سینوں) میں محفوظ ہے، اور زبانوں پر (اس کی تلاوت) جاری و ساری ہے، نبی کریم ﷺ پر اتارا گیا، اور قرآن کریم (پڑھتے وقت) ہمارے الفاظ مخلوق ہیں، نیز ہمارا قرآن کریم کو لکھنا اور پڑھنا بھی مخلوق ہے، مگر قرآن کریم مخلوق نہیں۔ (یعنی قرآن کریم اپنی اصل حیثیت کے

مطابق مخلوق نہیں بلکہ ہمارے افعال مخلوق ہیں۔نوری) اور جو باتیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کیں، موسیٰ علیہم السلام و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں، نیز فرعون و ابلیس وغیرھم کے بارے میں تو یہ سب درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ان کے بارے میں خبر دے رہا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام و دیگر لوگوں کا کلام مخلوق ہے، اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق کا کلام نہیں ہے۔اور (مثلاً) موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کا شرف حاصل کیا جیسے کہ رب العزۃ نے فرمایا: **و کلم اللہ موسی تکلیما** (سورۃ النساء آیت ۱۶۴) تو موسیٰ علیہ السلام کا سننا حادث ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ہی متکلم ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت نہ تھے۔

صفاتِ الٰہیہ:

اور اللہ تعالیٰ، ازل سے ہی اپنی صفت خالقیت سے متصف ہے جبکہ اس نے مخلوق کو پیدا ابھی نہ فرمایا تھا۔اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی ہمارا خالق حقیقی تھا، اور ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے، تو جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو اپنی صفت سے کلام فرمایا، جو دیگر صفات کی طرح ازل سے ہی اس کی صفت ہے، اور اس کی تمام صفات ازل سے ہیں۔بخلاف مخلوق کی صفات کے۔اسے ہر چیز کا علم ہے، مگر اس کا علم، ہمارے علم کی طرح نہیں۔اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے، مگر اس کی قدرت ہماری قدرت کی طرح نہیں۔وہ سب کچھ دیکھتا ہے مگر اس کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں۔وہ سب کچھ سنتا ہے مگر اس کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں۔وہ کلام فرماتا ہے مگر ہماری طرح نہیں، ہم تو بات چیت کرتے ہیں آلات (زبان، حرف، کلمات و الفاظ) سے، جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بغیر آلات اور بغیر حروف وغیرہ کے کلام فرماتا ہے۔اور حروف تو مخلوق ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں۔

رب تعالیٰ کے لئے شئے، نفس وغیرھا الفاظ کا استعمال

اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی شے کا اطلاق ہو سکتا ہے، مگر دیگر اشیاء کی مانند نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے شے کا اطلاق اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جسم، بغیر کسی جوہر، بغیر کسی عرض کے موجود ہے۔ نہ اس کی کوئی حد ہے نہ اس کا کوئی مخالف و مقابل، نہ کوئی اس کا ہمسر و مقابل ہے، اور کوئی اس کی مثل ہے ہی نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہاتھ، صورت، نفس کا ہونا اتنی ہی حد تک، اور ایسے ہی قابل تسلیم ہے، جتنا اور جیسا، اللہ تعالیٰ نے خود، ہاتھ اور صورت اور نفس کا ذکر، قرآن کریم میں فرمایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ صفات ذکر فرمائیں، اسی طرح اس کی صفات ہیں، اور بلا کیف ہیں، اور یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہاتھ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی نعمت ہے، کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا ابطال لازم آئے گا۔ نیز ایسی تاویل قدری اور معتزلی لوگ کرتے ہیں (اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ) بلکہ ہاتھ بھی اللہ تعالیٰ کی بلا کیف ایک صفت ہے، (جس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے)، اور اس طرح غضب اور رضا بھی اللہ تعالیٰ کی بلا کیف دو مختلف صفات ہیں۔

امورِ تکوین و تخلیق:

رب قدیر جل وعلا نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا، مگر کسی چیز کی مدد سے نہیں (بلکہ کسی چیز کا محتاج ہوئے بغیر ہی اس نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا)، اور اللہ تعالیٰ تو تمام اشیاء کو ان کے وجود سے قبل ہی ازل سے ہی جانتا ہے۔ اس نے تمام اشیاء کو اپنے اندازہ سے ٹھیک ٹھیک بنایا اور ان پر اپنا حکم جاری فرمایا۔

امورِ دنیا و آخرت:

دنیا و آخرت میں جو چیز ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت، اس کے علم، اس کے حکم اور

اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق، اور اس کے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کے مطابق ہی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا لکھنا وصف کے اعتبار سے ہے زبردستی نہیں (یعنی وہ جانتا تھا کہ کوئی چیز کیسے ہوگی، ایسے ہی لکھ دیا، زبردستی اپنا فیصلہ مسلط نہیں فرمایا)، اور قضا، قدرت، مشیت وغیرہا سب اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات ہیں اور بلا کیف ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ معدوم اشیاء کو ان کی عدم کی حالت میں بھی جانتا ہے کہ وہ معدوم چیز کیسی ہے، اور اس کو یہ بھی علم ہے کہ وہ اس چیز کو بنائے گا تو وہ چیز کیسی ہوگی۔ اور اس طرح وہ موجود اشیاء کو ان کے وجود کی حالت میں جانتا ہے، کہ وہ موجود چیز کیسی ہے، اور جب فنا ہوگی تو کیسی ہوگی اور وہ کسی بھی چیز کو اس کے قیام کی حالت میں کھڑا ہوا بھی جانتا ہے، اور وہ چیز جب بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی بیٹھی ہوئی کیفیت میں بھی جانتا ہے اور (ان باتوں کو جاننے میں) نہ تو اس کے علم وصفت میں کوئی تغیر وتبدیلی وحدوث پیدا ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کو کسی چیز کا نیا علم حاصل ہوتا ہے، (بلکہ وہ یہ تمام باتیں پہلے سے جانتا ہے) اور نہ ہی اس کا علم حادث قرار دیا جائے گا، بلکہ تغیر وتبدیلی وحدوث اور دیگر مختلف حالتیں مخلوق میں پیدا ہوتی ہیں۔

ایمان وکفر:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ایمان وکفر کی صفات سے مبرا پیدا فرمایا (یعنی ابھی کسی پر کافر اور مومن ہونے کا حکم نہیں لگا تھا)، پھر اس نے مخلوق کو خطاب فرمایا، بعض اشیاء کا حکم دیا اور بعض اشیاء سے منع فرمایا، تو جسنے چاہا کفر کیا، اور کفر کرنے والے نے اپنے اختیار وانکار سے، اور حق کی نافرمانی کرتے ہوئے نافرمانی کی بنا پر کفر کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد ترک فرمادی تھی۔ اور جسنے چاہا وہ مومن بن گیا، اور ایمان قبول کرنے والے نے اپنے اختیار واقرار سے، اور تصدیق کرکے ایمان قبول کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بات کی توفیق دی اور اس کی مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو باریک چیونٹیوں کی سی

صورت میں نکالا، اور ان کو عقل عطا فرمائی، پھر ان سے خطاب فرمایا، بتاؤ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا کہ یقیناً تو ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان لانے کا حکم دیا اور کفر سے روکا، تو تمام مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا ان کے ایمان کی صورت ہے، وہ اسی فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ پھر یا تو وہ اپنے رب کے شکر گزار ہوتے ہیں، یا ناشکرے بن جاتے ہیں۔ تو جس نے اس کے بعد کفر کیا تو اس نے یقیناً خود کو بدل ڈالا، اور اپنے اقرار کو بدل دیا، اور جو ایمان لایا اور تصدیق کی تو وہ اپنے ایمان پر جما رہا، اور برقرار رہا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق کو ایمان، یا کفر پر مجبور نہیں کیا، اور نہ ہی ان کو مومن یا کافر بنایا۔ بلکہ الگ حیثیت دے کر پیدا فرمایا اور ایمان وکفر تو بندوں کے فعل ہیں۔ اور جو بندہ کفر کرتا ہے، تو اللہ اس کو اس کے کفر کی حالت میں، کافر ہونے کی حیثیت سے پہلے سے ہی جانتا ہے، اور اس کو ناپسند فرماتا ہے۔ اور جو ایمان لائے تو اللہ اس کو اس کے ایمان لانے کے وقت، اس کے مومن ہونے کی حیثیت سے پہلے سے ہی جانتا ہے، اور اس کو پسند فرماتا ہے، مگر اس سے اللہ تعالیٰ کے علم وصفت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

بندوں کے افعال:

اور بندوں کے تمام کام حقیقی طور پر انہی کے کئے ہوئے کام ہیں، جیسے کہ حرکت کرنا، یا ساکن رہنا، البتہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت اور علم اور فیصلہ اور تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں۔ البتہ طاعات تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوئیں، اور اس کی محبت، رضا، علم، مشیت، فیصلہ، اور تقدیر کے مطابق ہیں، اور معاصی جتنے بھی ہیں، وہ سب کے سب، اللہ تعالیٰ کے علم، فیصلہ اور اس کی مشیت کے مطابق تو ہیں، مگر اس کی رضا، حکم اور محبت کے مطابق نہیں ہیں۔

انبیاء علیہم السلام:

تمام انبی کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام پاکیزہ ومنزہ ہیں ہر قسم کے صغیرہ و

کبیرہ گناہوں سے، اور کفر سے، نیز تمام قبیح اور فحش اشیاء سے بھی۔ البتہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام سے کچھ عجلت کی باتیں، اور غیر ارادی افعال سرزد ہوئے، (جو کسی مصلحت پر مبنی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مگر اس سے ان کے دامن پر کوئی قدغن نہیں)۔

اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے نبی، اس کے حبیب اور اس کے رسول اور اس کے بندے ہیں، اور اس کی منتخب کردہ شخصیت، اور اس کی چنی ہوئی پاکیزہ و برگزیدہ شخصیت ہیں، جنہوں نے کبھی بھی پلک جھپکنے کے برابر بھی نہ بت کی عبادت کی، نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کبھی شرک کیا اور نہ ہی کبھی کسی قسم کے صغیرہ یا کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔ (۲)

بندوں کے درجات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و السلام کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل، سیدنا ابوبکر صدیق (صدیق اکبر)، پھر سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم، پھر سیدنا عثمان غنی (ذوالنورین)، پھر سیدنا علی (حیدر کرار) بن ابوطالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ سب حق پر قائم تھے، حق پر ڈٹے ہوئے، اور حق پر عبادت کرنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے اور سب کے سب حق کو دوست رکھنے والے تھے۔ ہم ان سب کو دوست رکھتے ہیں اور سب سے محبت کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام میں سے جس کا بھی ذکر کریں گے خیر و بھلائی اور اچھے کلمات سے کریں گے۔

تکفیر مسلم (معاذ اللہ)

ہم کسی بھی مسلمان پر گناہ کرنے کی بنا پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے اگرچہ وہ گناہ، گناہ کبیرہ ہو، جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ کہے۔ اور نہ ہی ہم ایسے شخص سے ایمان کا نام دور کریں گے، بلکہ اس کو حقیقی مسلمان ہی کہیں گے۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہے ایک شخص مسلمان ہو، اور فاسق ہو اور کافر نہ ہو۔

موزوں پر مسح:

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، اور رمضان کی راتوں میں نماز تراویح سنت ہے، اور مومنین میں سے ہر نیک و بد (فاجر) کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے (فاسق کے پیچھے نہیں)۔

بعض اہم باتیں:

ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ کرنا مسلمان کو کچھ نقصان دہ نہیں، اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جہنم میں جائے گا ہی نہیں، اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جہنم میں ہمیشہ رہے گا، اگر چہ فاسق ہو۔ بشرطیکہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت گیا۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں یقیناً مقبول ہیں، اور ہمارے گناہوں کی یقیناً بخشش ہے (یعنی سزا نہیں ملے گی) جیسے کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے۔ (یعنی مذکورہ خیال مرجیہ کا ہے ہمارا اہل سنت و جماعت کا یہ اعتقاد نہیں ہے)۔

بلکہ اس مسئلہ کو واضح اور تفصیلی طور پر بیان کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ جو اچھے کام ان کی تمام شرائط کے ساتھ کرے گا، یعنی اچھے کام ان تمام عیوب سے خالی ہوں، جو اعمال کو فاسد کر دیتے ہیں اور ایسے تمام معانی سے خالی ہوں جو ان کو باطل کر دیتے ہیں، اور بعد میں بھی وہ نیک اعمال، کسی بد عملی، یعنی کفر، ارتداد، بد اخلاقی کے ذریعہ باطل نہ کئے جائیں، حتی کہ وہ نیک کام کرنے والا دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ نیک اعمال ضائع نہ فرمائے گا، بلکہ اس کی طرف سے کئے گئے نیک اعمال قبول فرمائے گا، اور اس شخص کو ان پر ثواب عطا فرمائے گا۔

اور آدمی کے وہ گناہ جو شرک و کفر نہ ہوں، اور گناہ گار نے انسے توبہ نہ کی، یہاں تک کہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہو گیا، تو ایسے اعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں، اگر وہ چاہے تو ان گناہوں کے مرتکب کو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے، لیکن اللہ تعالیٰ ایسے گناہ گار کو ہمیشہ عذاب میں نہ رکھے گا۔

اور ریاکاری جب بھی کسی نیک کام میں شامل ہو جائے، تو وہ اس عمل کے ثواب کو برباد کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح غرور بھی اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔

معجزات و کرامات:

انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلاۃ و السلام کے معجزات، اور اولیاء کی کرامات برحق ہیں۔ اور وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں مثلاً ابلیس، فرعون، دجال وغیرھم کے لئے ہوئیں، یا ہوں گی، جیسے کہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے، تو انہیں ہم نہ معجزات کہتے ہیں اور نہ کرامات، بلکہ ہم ایسی اشیاء کو ان کی حاجات کا پورا ہونا کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی حاجات بھی پوری فرماتا ہے، بطور استدراج کے، ان کو فریب میں ڈالتے ہوئے اور (ان کاموں کو آخرت میں) ان کی سزا بناتے ہوئے۔ لہٰذا وہ لوگ اس سے غرور و تکبر کرتے ہیں اور نافرمانی، گناہ، سرکشی، اور کفر میں مزید بڑھتے رہتے ہیں اور یہ باتیں (یعنی ان کو اتنی طاقت حاصل ہونا) جائز اور ممکن ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل بھی صفت خالقیت سے موصوف تھا، اور رزق دینے سے قبل بھی صفت رزاقیت سے موصوف تھا۔

دیدار الٰہی:

اللہ تعالیٰ کا دیدار آخرت میں ہوگا۔ اور مسلمان، اللہ تعالیٰ کو، جبکہ وہ جنت میں ہوں گے، اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے، بغیر کسی تشبیہ اور بغیر کسی کیفیت معلومہ کے، اور بغیر کمیت کے (یعنی اللہ تعالیٰ تمام تشبیہات و کیفیات و کمیات سے پاک و منزہ ہے، لہٰذا اس کو دیکھنے کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی)، اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان مسافت نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔

ایمان و اسلام:

ایمان کا مطلب ہے (زبان سے) اقرار کرنا، اور (دل سے) تصدیق کرنا۔ اور زمین و آسمان والوں کا ایمان (درحقیقت) نہ تو بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ اور مومنین اصل ایمان میں، اور توحید میں سب برابر ہیں، البتہ اعمال میں بعض کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

اور اسلام کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی فرمانبرداری کرنا، اور اطاعت کرنا، تو لغوی اعتبار سے ایمان اور اسلام میں فرق ہوسکتا ہے، مگر (شرعی اعتبار سے) ایمان، اسلام کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اسلام ایمان کے بغیر ہوسکتا ہے، ان دونوں کا آپس میں ایسا تعلق ہے جیسے پیٹھ کا تعلق پیٹ سے ہے۔ اور دین، اسلام و ایمان اور شریعت کے تمام احکام کا نام ہے۔

ثواب و معرفت الٰہیہ:

ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی معرفت کے حق کے مطابق، اس کی تمام صفات کے ساتھ پہچانتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان فرمایا، اور کسی شخص کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جیسے اس کی عبادت کا حق ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ عبادت کئے جانے کے لائق ہے، لیکن اللہ کا بندہ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ کے حکم کے مطابق کرتا ہے، جو اس نے قرآن کریم اور سنت رسول کریم ﷺ کے ذریعہ بیان فرمایا۔

تمام مومنین، معرفت، یقین، توکل، محبت، رضا، خوف، امید وغیرھا اشیاء کے بارے میں ایمان رکھنے میں برابر ہیں، البتہ ایمان رکھنے کے علاوہ ان اشیاء کے دوسرے معاملات میں مختلف درجات کے حامل ہیں۔ (۳)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل فرماتا ہے اور سب کے ساتھ انصاف فرماتا ہے،

بلکہ کبھی کبھی تو بندہ جتنے ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس سے کئی گناہ زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے، اس پر خصوصی انعام فرماتے ہوئے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے گناہ پر سزا دیتا ہے، اور کبھی مہربانی فرماتے ہوئے سزا بھی معاف فرما دیتا ہے۔

شفاعت و احوالِ آخرت:

انبیاء علیہم السلام کی شفاعت برحق ہے، نیز ہمارے نبی اکرم ﷺ کا گناہ گار مسلمانوں کی، نیز کبیرہ گناہ کے مرتکب مومنین کی، کہ جن پر سزا واجب ہو چکی، شفاعت فرمانا برحق اور ثابت ہے۔ اور بروز قیامت، میزان میں اعمال کا وزن ہونا، پل صراط کا وجود، نیز حضور اکرم ﷺ کے حوض کوثر کا وجود بھی برحق ہے، نیز قیامت کے دن جھگڑنے والوں میں نیکیوں کے ذریعہ قصاص دلانا، اور کسی گناہ گار کی نیکیاں نہ ہوں تو قصاص میں اس پر گناہ ڈال دینا بھی برحق اور ثابت ہے۔

نیز جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ کی دو مخلوق ہیں، اور جو آج بھی موجود ہیں (یعنی پیدا کی جا چکی ہیں) جو ہمیشہ کے لئے ہیں کبھی فنا نہ ہونگی، اور حور عین کو بھی موت نہیں آئے گی۔ اور نہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب کبھی فنا ہوگا، اور نہ اس کا ثواب (انعام) کبھی ختم ہوگا۔

ہدایت اور گمراہی:

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائے، اور جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دے اپنا انصاف فرماتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو گمراہی میں چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرماتا ہے۔ اور گرفت کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ کو ایسے عمل کی توفیق نہیں ملتی جس سے اللہ تعالیٰ اس بندہ سے راضی ہو جائے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف ہے، اور اس طرح گناہ کی وجہ سے ایسے شخص کو سزا دینا بھی اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف ہے۔

اور ہمیں یہ کہنا جائز نہیں، کہ شیطان کسی مومن سے زور وزبردستی سے ایمان چھین لیتا ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بندہ اپنے ایمان کی جانب سے لاپرواہ ہو جاتا ہے، تو جب وہ ایمان کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، تو اس وقت شیطان اس کا ایمان اچک لیتا ہے۔

احوال قبر واحوال آخرت:

منکر ونکیر کا قبر میں سوال کرنا بحق ہے اور ایسا ضرور ہوگا۔ اور روح کو قبر میں بندہ کے جسم میں دوبارہ داخل کرنا بھی برحق ہے، اور قبر کا دبانا بھی برحق ہے۔ نیز عذاب قبر برحق ہے، جو کہ تمام کفار اور بعض گناہ گار مسلمانوں کو ہوگا، اور یہ بھی ثابت ہے۔ اور اسی طرح بعض مسلمانوں کو زیادہ نعمتیں ملنا بھی برحق اور ثابت ہے۔

دوسری زبانوں میں صفات خدا:

اللہ تعالیٰ کہ اس کی تمام صفات عزت والی اور تمام صفات اعلیٰ ہیں کی وہ صفات جو علماء کرام نے فارسی (یعنی عربی کے علاوہ دوسری زبان) میں (ترجمہ کرکے) بیان کی ہیں، ان کو ان زبانوں میں بیان کرنا جائز و درست ہے، سوائے ''ید'' جیسے الفاظ کے (۴)، کہ ان کے معنی فارسی میں بیان کرنا جائز نہیں۔ لیکن ''بروئے خدا عزوجل'' کہنا جائز ہے، بلاتشبیہ و تمثیل اور بلا کیف و بلا کم۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس سے دوری، مسافت کے زیادہ یا کم ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا مطیع و فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ سے بلا کیف قریب ہے، اور گناہ گار شخص اللہ تعالیٰ سے بلا کیف دور ہے، قریب ہونا، دور ہونا، متوجہ ہونا، مناجات کرنے والے کے اعتبار سے ہے (مگر اللہ تعالیٰ کا قریب و دور ہونا بلا کیف ہے) اور اسی طرح جنت میں اللہ تعالیٰ کا پڑوس اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونا، یہ سب چیزیں بلا کیف ہیں۔

قرآن کریم

قرآن کریم، رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا ہے، اور قرآن کریم کی تمام آیات اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے اعتبار سے فضیلت اور عظمت میں برابر ہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ بعض آیات کے لئے (قرآن میں) مذکور ہونے کی فضیلت بھی ہے اور کوئی بزرگ شے اگر اس آیت میں مذکور ہے، تو مذکورہ چیز کی بنا پر بھی اس آیت کی فضیلت زائد ہے۔ جیسے کہ آیت الکرسی، کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے جاہ و جلال، اور اس کی عظمت و صفات مذکور ہیں (لہٰذا اس میں دو فضیلتیں اکھٹی ہوگئیں، قرآن میں ذکر ہونے اور آیت میں مذکورہ اشیاء کی فضیلت)۔ جبکہ بعض آیات کی صرف یہ فضیلت ہے کہ یہ قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ جیسے کفار وغیرہ کے قصے، کہ ان میں جس کا ذکر ہے، اس ذات کی کوئی فضیلت نہیں، جو کہ کفار وغیرہ ہیں۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات تمام، کی تمام عظمت و فضیلت میں برابر ہیں ان میں درجات کے اعتبار سے یا فضیلت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے والدین و رشتہ دار:

اور رسول اکرم ﷺ کے والدین کا انتقال فطرت پر ہوا، اور ابو طالب جو کہ نبی کریم ﷺ کے چچا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ہیں ذہ حالت کفر میں مرے۔(۵)

اور حضرت قاسم، حضرت طاہر اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کے صاجزادگان ہیں۔ نیز حضرت فاطمہ زہراء، حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن حضور علیہ السلام کی صاجزادیاں ہیں۔

عقائد کی دشواری:

جب انسان پر علم توحید کی باریک و دقیق اشیا میں سے کسی چیز کو سمجھنا دشوار ہو، تو اس

کو لازم ہے کہ فی الحال تو وہ عقیدہ اپنائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست و صحیح ہو۔(۶)
یہاں تک کہ اس کو کوئی عالم ملے، تو اس سے درست بات معلوم کرے اور وہ بات اپنائے۔(یعنی حق کی جستجو کرتا رہے، تاکہ اس کا عقیدہ یقین و تحقیق کے ساتھ درست ہو جائے)۔اور حق تلاش کرنے میں تاخیر کرنے کی اس کو گنجائش نہیں۔(یعنی کسی عالم کو تلاش کر کے مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنا بھی اس پر لازم ہے)۔اور اس بارے میں توقف کرنے (خاموش رہنے) کا عذر قبول نہ ہوگا۔اور اگر (اسلامی عقیدہ نہ اپنائے اور) توقف کرے۔تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

چند مزید واجب التسلیم اشیاء:

معراج کا واقعہ برحق و سچا ہے اور جو اس کو تسلیم نہ کرے تو وہ بدعتی و گمراہ شخص ہے۔
اسی طرح دجال کے خروج کی خبریں، یاجوج و ماجوج کے خروج کی اطلاع، سورج کا مغرب سے طلوع ہونے کی خبریں؟ اور عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کی باتیں، اور قیامت کی تمام علامات، جس طرح احادیث صحیحہ میں درج ہیں سب کی سب سچی اور حق ہیں (اور جیسے بتایا گیا ہے اس طرح واقع ہونگی)۔اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھے راستہ کی جانب ہدایت دیتا ہے۔

تمام شد ترجمہ فقہ اکبر

۱۴۲۷/۶/۱۲ھ-۲۰۰۶/۶/۲۷ء

حواشی:

(۱) صفت ذاتی وہ ہے کہ اس کی ضد رب تعالیٰ کی صفت نہ ہو، جیسے کہ علم، اس کی ضد ہے جہل، جو کہ رب تعالیٰ کی صفت نہیں۔اور صفت فعلی وہ کہ اس کی ضد بھی رب تعالیٰ کی صفت ہو، جیسے کے غضب، کہ اس کی ضد رحمت ہے، اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔نوری

(۲) ان باتوں کی تفصیل کیلئے اردو میں خلیل ملت کی کتاب ”عقائد الاسلام“ (ترجمہ و

شرح العقیدہ الحسنۃ) کا مطالعہ فرمائیں۔نوری

(۳) یعنی ان اشیاء میں اعتقاد کے علاوہ ان اشیاء کے معاملات مختلف فیہ ہیں۔یعنی کسی میں توکل وغیرہ زیادہ ہے اور کسی میں کم ہے، مگر ان پر ایمان سب کا برابر ہے۔نوری

(۴) یعنی صفات متشابہات کو علی الاطلاق، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے بولنا جائز نہیں۔نوری

(۵) جیسے کہ مسلم کی روایت کردہ احادیث سے واضح ہے، اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں کہ عند اللہ انکی بخشش ممکن ہے۔(مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج:۷)نوری

(۶) یعنی یہ کہے اور یہ سوچے کہ جو بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح و درست ہے، اسی کو اپنا عقیدہ مانتا ہوں۔نوری

(۷) یعنی اگر یہ بھی نہ کہا کہ جو بات سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے وہ اپنا تا ہوں۔اور نہ ہی کسی عالم سے پوچھا۔اور عقائد سے لاپرواہ ہونے پر کوئی فکر نہ کی۔نوری

تمت و بالفیض عمت

فضیلت علم پر حدیث پاک، چند معتبر اشعار!

من صار بالعلم حیا لم یمت ابداً (الحدیث)

جو علم سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرے گا

تعلم فان العلم زین اهله	و فضل وعنوان لکل المحامد
علم سیکھو کیوں کے علم علماء کی زینت ہے	فضیلت اور تمام چیزوں کا عنوان ہے
وکن مستفید کل یوم زیادة	من العلم واسبح فی بحور الفوائد
ہر روز علم کو زیادہ حاصل کرتا چلا جا	اور فائدوں کے سمندروں میں تیرائی کر
الا لا تنال العلم الا بستته	سأنبئك عن مجموعها ببیان
علم نہ پاؤ گے مگر چھ چیزوں سے	میں تمہیں ان کے بارے میں بتاتا ہوں
ذکاء و حرص واصطبار وبلغة	و ارشاد استاذ و طول زمان
ذہانت، شوق، آفتوں پر صبر، کفایت شعاری	استاد کی رہنمائی اور عرصہ تک علم کی طلب میں رہنا
رضینا قسمة الجبار فینا	لنا العلم وللأعداء مال
ہم اللہ جبار کی اس تقسیم پر راضی ہیں	کہ اس نے ہمیں علم دیا اور دشمنوں کو مال
الجاهلون فموتی قبل موتهم	والعالمون وان ماتوا فاحیاء
بے علم مرنے سے پہلے مردہ ہیں	اور علماء مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں (شیخ حسن مرغینانی)
من طلب العلم للمعاد	فاز بفضل من الرشاد
جس نے علم کو آخرت کے لئے حاصل کیا	وہ صحیح فضیلت و شرافت کو پانے میں کامیاب ہوا

(امام اعظم)

نذرِ عقیدت بدربار عرش اقتدار

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

حبیب حق ہادیٔ معظم ابوحنیفہ امام اعظم
محب شاہنشہ دو عالم ابوحنیفہ امام اعظم
امام دین رسول اکرم ابوحنیفہ امام اعظم
سراج امت فقیہ افخم ابوحنیفہ امام اعظم
بیاں، ادب فلسفہ، معانی، حدیث، قرآں، کلام، حکمت
ہر علم کے ماہر مسلّم ابوحنیفہ امام اعظم
نشان فتح دوام بن کر جہاں میں لہرائے گا ابد تک
تمہارے دین متین کا پرچم ابوحنیفہ امام اعظم
خدا شناسوں کے آپ یاور خدا پرستوں کے آپ رہبر
خدا رسیدوں کے آپ ہمدم ابوحنیفہ امام اعظم
عنایت و رحمت خدا سے عطائے محبوب کبریا سے
ہو تم مجدّد ،ہو تم مکرم ابوحنیفہ امام اعظم
تمہاری تقلید اس لئے ہے تمام اہل یقین پہ واجب
ہو سب ائمہ سے تم مقدّم ابو حنیفہ امام اعظم
اہانت دین حق سے ہر دم ہے دل پریشاں ہے چشم پرنم
مٹا دو قلب ضیاءؔ سے ہر غم ابوحنیفہ امام اعظم

(الحاج مولانا ضیاء القادری رحمۃ اللہ علیہ)

نعت شریف (خندیدہ خندیدہ)

کھنچا جاتا ہے دل سوئے حرم پوشیدہ پوشیدہ
تصور میں قدم بڑھنے لگے لغزیدہ لغزیدہ

دلِ بیتاب ہے اب کس لئے زاریدہ زاریدہ
سلام شوق کو جاتا تو ہے طلبیدہ طلبیدہ

وہ شیرینی ہے نام پاک کے میم مشدد میں
کہ رہ جاتے ہیں دونوں لب بہم چسپیدہ چسپیدہ

حقیقت کیا مگر، فرش بیاضِ دیدہ کی غافل
ملائک پر بچھاتے ہیں یہاں لرزیدہ لرزیدہ

وہ جس کی جستجو میں عرش اعظم بھی ہے سرگرداں
اسے ٹوٹے دلوں نے پالیا پوشیدہ پوشیدہ

شب اسریٰ کے دولھا کی ضیا پاشی کا صدقہ ہے
کہ ہیں شام و سحر شمس و قمر رخشیدہ رخشیدہ

نہ ہوں کیوں کیف آور نزہتیں فردوس اعلیٰ کی
اڑالائی ہے طیبہ سے صبا دزدیدہ دزدیدہ

خلیلؔ زار کو دیکھا تو ہوگا طیبہ میں ہمدم
پڑا رہتا ہے دیوانہ سا کچھ سنجیدہ سنجیدہ

(مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد خلیلؔ خاں برکاتی)

آپ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یا حبیب خدا، یا شفیع الوریٰ آپ جیسا نہیں کوئی بھی ہر طرف
از ازل تا ابد، از زمیں تا فلک، آپ ہی آپ ہی آپ ہی ہر طرف

آپ شمس الضحیٰ، آپ بدرالدجیٰ آپ محبوبِ رب آپ نورِ خدا
کیا زمیں کیا زماں کیا مکاں لا مکاں، آپ کے نور کی روشنی ہر طرف

عرش سے فرش تک فصل گل آگئی، مہکا سارا جہاں جان میں جان آگئی
زلف لہرائی جب روئے والشمس پر، رحمتوں کی گھٹا چھا گئی ہر طرف

سرد ایراں کا آتشکدہ ہوگیا، قصر کسریٰ کے کنگرے گرے ٹوٹ کر
آپ تشریف لائے تو باطل گیا، نورِ حق کی ہوئی روشنی ہر طرف

سمٹا ہر فاصلہ وقت ٹھہرا رہا، اذنِ مُنّٰی کی تھی ہر اک لمحہ صدا
عرش سے فرش تک نور ہی نور تھا، ماہ اسریٰ کی تھی چاندنی ہر طرف

خوف وڈر غیر کا دل میں وہ لائیں کیوں، ان کے جو ہوگئے غم سے گھبرائیں کیوں
حافظ ان کے جو ہیں، ان پہ سرکار کی ہے نگاہ کرم ہر گھڑی ہر طرف

(مفتی اعظم اہلسنت مفتی احمد میاں برکاتی)

ایک دانشور کا قول

چار چیزیں علم کے لئے ضروری ہیں:

شیخ فتّاح	نکتہ داں استاد
عقل نجاح	سمجھنے والی عقل
کتب صحاح	صحیح کتابیں
مداومت والحاح	کثرت مطالعہ، عاجزی